جلدِ ہفتم

(نوحہ)

خاکِ پائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

کرم یا فاطمہؑ

خاص زہراؑ کا عطیّہ ہے یہ پروازِ نویدؔ
پر یہ آتی ہے بلندی پر کے جل جانے کے بعد

اللہ رے نویدؔ کی پرواز الامان
تکتے ہیں جبرئیلؑ بھی جس کی اڑان کو

کرم یا علیؑ

علیؑ نے میرے کاسے میں فقیری ڈال دی جس دم
نویدؔ اُس دم مرے دل پر کُھلا دستِ خدا کیا ہے

حیدریم قلندرم مستم
بندۂ مرتضیٰؑ علیؑ ہستم
پیشوائے تمام رندانم
کہ سگِ کوئے شیرِ یزدانم
من بغیرِ علیؑ نہ دانستم
علیؑ اللہ از ازل گفتم

لعل شہباز قلندر کبریا

دل سیر ہے گدائے جنابِ امیر کا
خالی کبھی رہا نہیں کاسہ فقیر کا

میر ببر علی انیسؔ

دعا نگاہ

سخی لعل شہباز قلندرؒ کبریا

اور

سید سخی باوا کریم صدا حسین جلالی قلندری بخاری ہاشمی القرشی

اُسی کرم نے مجھے مست کردیا ہے نویدؔ
کرم جو حال پہ میرے صداؒ حسین کا ہے

انتساب

اپنے والدِ بزرگوار عابدِ شب زندہ دار
سید غلام الثقلین جعفری

اور

اپنی والدۂ ماجدہ
سیدہ بیگم زیدی کے نام

اٹھے کیسے یہ بارِ اشکِ مژگاں
کہ اِس قطرے میں وزنِ کربلا ہے

میر احمد نویدؔ

ترتیب

یاحسینؑ	007
یاحسنؑ	196
ہائے سجادؑ	199
یازینبؑ	270
ہائے صغراؑ	481
یاعباسؑ	516
ہائے سکینہؑ	550
ہائے اکبرؑ	586
ہائے اصغرؑ	616
ہائے قاسمؑ	658
یاعلیؑ	662
یافاطمہؑ	681
یاحُرؑ	688
یاامامِ زمانہؑ	702

یا حسینؑ

بند اپنی یہ رَٹ کرو تو سُنو
آ رہی ہے صدا حسینؑ حسینؑ
اللہ اللہ کر رہے ہو تم
کر رہا ہے خدا حسینؑ حسینؑ

خاکِ پائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

یاحسینؑ

دل کی دھڑکن کرسماعت نبض سے سُن یا حسینؑ
مقصدِ کُن یا حسینؑ اور حاصلِ کُن یاحسینؑ
ایک نوحہ ایک گریہ ایک ماتم ایک غم
ایک ہے سُر ایک ہے لےَ ایک ہے دُھن یاحسینؑ

نوحہ

بے خبر دستک پہ دستک دے رہی ہے کربلا
کھول دروازہ ترے در پر کھڑی ہے کربلا

بے خبر خُود سے گزر، ہیں منتظر تیرے حسینؑ
مُنتظر تیری ہے جس دن سے سجی ہے کربلا

قید سے تیری تجُھے آزاد کرنے کے لیے
آسمانوں سے اُدھر ٹھہری ہُوئی ہے کربلا

دَوڑتا کیا ہے زمین و آسماں کے درمیاں
ڈھونڈتا کیا ہے تیرے اندر بسی ہے کربلا

چاہیے ہے گر تجھے خوشنودیِ مولا حسینؑ
زندگی سے یوں گزر جیسے ابھی ہے کربلا

تیرے چاروں سمت ہے غافل حصارِ کربلا
کیا کہوں میں تیری سانسوں سے بندھی ہے کربلا

فیصلہ کر اے مسافر تجھ کو جانا ہے کہاں
ہر زمانے میں ہراک سے پوچھتی ہے کربلا

شور میں کون و مکاں کے تو مگر سنتا نہیں
بن کے دھڑکن تیرے دل میں گونجتی ہے کربلا

کیوں نہ آئے کربلا سے خونِ تازہ کی مہک
اے خدا جب خونِ اصغرؑ سے گندھی ہے کربلا

زندگی سے کس قدر بھاگے گا آخر اے نویدؔ
گردشِ شام و سحر میں گھومتی ہے کربلا

کربلا ہوگئی تیار

کربلا ہوگئی تیار کوئی ہے تو چلے
مرضیِ رب کا خریدار کوئی ہے تو چلے

پھینک کر اپنی سپر کھول کے سب بندِ زرہ
توڑ کر زانو پہ تلوار کوئی ہے تو چلے

ہے کوئی شہہ کے گلے کی جگہ رکھے جو گلا
ہے رواں خنجرِ خوانخوار کوئی ہے تو چلے

شہہ پہ چلتے ہوئے تیروں کو بدن پر کھانے
روکنے حلق پہ تلوار کوئی ہے تو چلے

ہے وہی بیعت و سر پیچ صدائے انکار
ہے کوئی صاحب انکار کوئی ہے تو چلے

عَصر کا ڈوبتا سورج یہ صدا دیتا ہے روز
منتظر ہیں شہہ ابرار کوئی ہے تو چلے

فجر ہو، ظہر ہو، یا عصر ہو، مغرب کہ عشاء
استغاثہ ہے لگاتار کوئی ہے تو چلے

روند کر حرص و ہوا جاہ و حشم منصب و مال
پیروِ حرِ جگردار کوئی ہے تو چلے

جھلملا کر جو ہوا صبح کا تارا خاموش
حرؑ نے مڑ کر کہا اک بار کوئی ہے تو چلے

رات بھر حُرؑ کی صدا آتی ہے کانوں میں نویدؔ
شبِ عاشور کا بیدار کوئی ہے تو چلے

نوحہ

اُجڑنے والو چلو کربلا بسی ہوئی ہے
وہ در کُھلا ہوا ہے شمع بھی جلی ہوئی ہے

تُو جس زمانے میں ہے انتظار میں تیرے
ٹھہر کے دیکھ ذرا کربلا رُکی ہوئی ہے

کُرید شامِ غریباں کی راکھ میں کیا ہے
بقا کی صبح اِسی راکھ میں دبی ہوئی ہے

چراغِ خیمۂ شہہؑ تیرے دل میں روشن ہے
یہ جان لے جو تری لَو سے لَو لگی ہوئی ہے

بتا یہ کس کی ردا ہے جو ہے فلک یارب
بتا یہ کس کے لہو سے زمیں گُندھی ہوئی ہے

ہزار آئے ہیں اِس کو اُجاڑنے والے
مگر یہ کرب و بلا ہے کہ جو بسی ہوئی ہے

وہ بات جس پہ شہہؑ دیں نے سر کٹایا ہے
خدا کی بات اُسی بات سے بنی ہوئی ہے

یہ راستا سا جو ہے کربلا ہے جاتا ہوا
یہ روشنی سی جو ہے کربلا نے کی ہوئی ہے

ہر ایک صبح میں شہہؑ کا ہے استغاثا نویدؔ
ہر ایک شام میں شہہؑ کی صدا بسی ہوئی ہے

نوحہ

آرہی ہے یہ مقتل سے حُرؑ کی صدا آج بھی
اے جہانو! کھُلا ہے درِ کربلا آج بھی

شب گزیدو اُٹھو صُبحِ عاشور ہونے کو ہے
جا رہا ہے ستارہ یہ کہتا ہُوا آج بھی

خیمہء شب سے اک اور حُرؑ پھر نکلنے کو ہے
دیکھنا خود کو دُہرائے گی کربلا آج بھی

کربلا از ازل تا ابد ایک پھیلاؤ ہے
وقت میں رہ کے ہے وقت سے ماورا آج بھی

سلسلہ شہہؑ نے بیعت اُٹھا کر جو جاری کیا
سرَ فروشی کا جاری ہے وہ سلسلہ آج بھی

دشتِ امکاں میں روشن کیا تھا جو شبیرؑ نے
جل رہا ہے سرِ رہگزر وہ دیا آج بھی

ہے کوئی ایک تنہا کا جو استغاثا سُنے
گونجتی ہے پسِ شورِ کُن اک صدا آج بھی

کون ہے جس سے روشن ہے ہر اک زمانہ نویدؔ
کوئی سَر ہے کہ نیزے پہ ہے اک دیا آج بھی

حسینؑ تم کو بلا رہے ہیں

یہ عصرِ عاشورِ کربلا ہے حسین تم کو بلا رہے ہیں
چلو کہ مقتل سجا رہے ہیں صدائے ہل من لگا رہے ہیں

تمہاری سانسوں سے باندھے تم کو جو کھینچتی ہے وہ موت کیا ہے
ہے زندگی کیا حسینؑ تم کو یہ زیرِ خنجر بتا رہے ہیں

جو چاہتے ہو ہمیشہ جینا تو موت کو تم گلے لگا لو
کہ موت پر جو پڑے ہیں پردے حسینؑ اُن کو اُٹھا رہے ہیں

جسے سمجھتے ہو موت اپنی وہی تو در اصل زندگی ہے
کہیں نگل لے نہ موت تم کو حسینؑ تم کو بچا رہے ہیں

یہ سوچ لیتے خودی کے مارے خدا کے مارے یہ سوچ لیتے
خودی پہ خنجر چلا رہے ہیں خدا پہ خنجر چلا رہے ہیں

یہ راز کس پر کھلا ہے آخر سرا یہ کس کو ملا ہے آخر
جو دستِ بیعت اٹھا رہے ہیں چراغِ خیمہ بجھا رہے ہیں

خدا نہیں ہیں تو کون ہیں وہ حسینؑ ہیں وہ کہ جون ہیں وہ
گلا جو اپنا کٹا رہے ہیں جو ہم کو جینا سکھا رہے ہیں

نویدؔ ہے یہ دعائے زہراؑ بنا رہے ہیں وہ گھر کو جنت
عطائے زینبؑ سے گھر میں اپنے جو فرشِ مجلس بچھا رہے ہیں

نوحہ

لہو لہو تہہِ خنجر صدا لگاتے ہیں
چلو حسینؑ تمہیں کربلا بلاتے ہیں

ہے کون موت کو جو زندگی بنائے گا
مگر ہے کون کہ جو خون میں نہائے گا
یہ دیکھنا ہے کہ اِس بیچ کون آئے گا
دیا بجھاتے ہیں سرور ، دیا جلاتے ہیں
چلو حسینؑ تمہیں کربلا بلاتے ہیں

ہر اِک فنا کو بقا سے گزارنے کے لیے
کہ روشنی ترے دل میں اتار نے کیلئے
اُجڑ کے خود تِری دنیا سوارنے کے لیے
غبارِ دشت سے شہؑ آئینہ بناتے ہیں
چلو حسینؑ تمہیں کربلا بلاتے ہیں

اگرچہ حرؑ بھی سوئے شاہ ؑ آچکا یا رب
کہ پیاس تیر سے اصغرؑ بجھا چکا یارب
گلا ہر ایک سپاہی کٹا چکا یارب
کس انتظار میں اب شاہؑ تیر کھاتے ہیں
چلو حسینؑ تمہیں کربلا بلاتے ہیں

انہی نے بھٹکے ہوؤں کو گلے لگایا ہے
انہی نے حق کی طرف راستہ بنایا ہے
انہی نے سینے میں حُرؑ کے دیا جلایا ہے
یہی ہیں دھوپ کو جو سائباں بناتے ہیں
چلو حسینؑ تمہیں کربلا بلاتے ہیں

کھڑے ہیں ہاتھوں میں کوثر کا جام اُٹھائے ہوئے
کھڑے ہیں خنجرو تیر و سنان کھائے ہوئے
مگر نگہ ترے رستے پہ ہیں لگائے ہوئے
کہاں ہے تو کہ صدا پر صدا لگاتے ہیں
چلو حسینؑ تمہیں کربلا بلاتے ہیں

بھٹکنے والوں کو رستا دکھا رہے ہیں حسینؑ
تمام سوئے ہوؤں کو جگا رہے ہیں حسینؑ
یہ اور بات کہ خود سنگ کھا رہے ہیں حسینؑ
جو سنگ ہیں تری رہ میں مگر ہٹاتے ہیں
چلو حسینؑ تمہیں کربلا بلاتے ہیں

نہیں ہے کوئیء بھی اب اشک پوچھنے والا
ہر اک سے دل پہ جدائی کا کھالیا بھالا
اکیلا رہ گیا مقتل میں نازوں کا پالا
خود آپ اپنی ہی غربت پہ خاک اڑاتے ہیں
چلو حسینؑ تمہیں کربلا بلاتے ہیں

قسم خدا کی زمانہ بدل رہا ہے نویدؔ
صدا لگاتا ہوا وقت چل رہا ہے نویدؔ
دیا جو شہہؑ نے جلایا تھا جل رہا ہے نویدؔ
دیئے کی سمت زمانے قدم بڑھاتے ہیں
چلو حسینؑ تمہیں کربلا بلاتے ہیں

مقامِ محمود کی صدا ہے

صدا جو ھل من کی آ رہی ہے مقامِ محمود کی صدا ہے
یہ استغاثائے سرمدی ہے سنو! یہ معبود کی صدا ہے

مشاہدہ تو یہ کہہ رہا ہے شہود سے تو یہی ہے ظاہر
گلوئے شاہد سے آنے والی دراصل مشہود کی صدا ہے

یہ عصرِ عاشورِ کربلا ہے کہ تم کو مقتل بلا رہا ہے
صدا یہ معلوم کی صدا ہے سنو یہ موجود کی صدا ہے

ادا ہو مستی میں ایک سجدہ کہاں ہے تُو منتظر ہے جلوہ
یہ کربلا ہے مقامِ سدرہ حسینؑ مسجود کی صدا ہے

جسے یہ تلوار دیکھنا ہو خدا کا دیدار دیکھنا ہو
وہ آئے اپنے لہو میں ڈوبے یہ خون آلود کی صدا ہے

یہ قابَ قوسینِ کربلا ہے بس ایک سجدے کا فاصلہ ہے
یہ سدرۃ المنتہیٰ سے ہر دم حسینؑ معبود کی صدا ہے

صدا پہ چُپ تو نہ رہ جواباً نویدَ لبیک کہہ جواباً
مقامِ محمود کی صدا ہے مقامِ محمود کی صدا ہے

چلو حسینؑ کے ساتھ

بُلا رہی ہے مشیّت چلو حسینؑ کے ساتھ
یہ کہہ رہی ہے شہادت چلو حسینؑ کے ساتھ

یہ تم جو اجرِ رسالت کی بات کرتے ہو
یہی ہے اجرِ رسالت چلو حسینؑ کے ساتھ

صدا ہے یہ شہداء کی صلواۃ قائم ہو
ادا ہو رسمِ اقامت چلو حسینؑ کے ساتھ

عمامہ زینِ فرس پر، ہیں زیرِ تیغ حسینؑ
ہے سر برہنہ شریعت چلو حسینؑ کے ساتھ

یہی ہے حق کی صدا حق کے ساتھ ہو جاؤ
پکارتی ہے طریقت چلو حسینؑ کے ساتھ

ہے زندگی کی جو دھڑکن تمہارے سینے میں
حسینؑ کی ہے امانت چلو حسینؑ کے ساتھ

کہیں نہیں ہے اگر ہے تو بس وہیں ہے خدا
ہے گر تلاشِ حقیقت چلو حسینؑ کے ساتھ

نوحہ

تونے سوچا کبھی تونے جانا کبھی کیوں تجھے کربلا میں بلایا گیا
موت کا تھا جو پردہ ترے سامنے کیوں ترے سامنے سے ہٹایا گیا

کررہا ہے یہ حلقِ بریدہ کلام کی گئی کس طرح ہائے حُجت تمام
راہ سے کیسے پتھر ہٹائے گئے۔ راستا کس طرح سے بنایا گیا

از ازل تا ابد چھائی کرب و بلا کیسے حرؑ میں سمٹ آئی کرب و بلا
کاش کھل جائے تجھ پر یہ رازِ نہاں حُرکوحُر کس طرح سے بنایا گیا

جس دیے میں سمٹ آئے کون ومکاں معنی کن فکاں رازِ ہر دو جہاں
وہ دیا ہائے کیونکر بجھایا گیا وہ دیا ہائے کیونکہ جلایا گیا

خاک مقتل میں کیسے اُڑائی گئی کربلا کیوں اُجڑ کر بسائی گئی
کس لیے راہ میں سنگ کھائے گئے کس لیے ہائے خوں میں نہایا گیا

کاش تو جان کر بات یہ جان لے کاش تو مان کر بات یہ مان لے
کس لیے ہائے بیعت اٹھائی گئی زیرِ خنجر گلا کیوں کٹایا گیا

طوق گردن میں کس طرح ڈالا گیا کس طرح اس کو بیڑی پہنائی گئی
کیسے نیزے پہ چادر دکھائی گئی خون عابدؑ کو کیسے رلایا گیا

جو احد کا احد غیب کا غیب ہے یعنی زینبؑ ہے جو زینِ لاریب ہے
کیسے کانٹوں پہ اس کو چلایا گیا کس طرح اسکو دَر دَر پھرایا گیا

صبح عاشور سے پوچھ جا کر نویدؔ، شامِ عاشور سے پوچھ جا کر نویدؔ
صبح کو شام کیسے بنایا گیا ۔ شام کو صبح کیسے بنایا گیا

نوحہ

صحرا میں خاک اُڑانے کو تنہا چلے حسینؑ
لُٹ کر تجھے بچانے کو تنہا چلے حسینؑ

اللہ کو اُٹھانی ہے اک عصر کی قسم
تیرِ والعصر کھانے کو تنہا چلے حسینؑ

کرب و بلا ہر ایک زمانے میں ہے بلند
بتلانے ہر زمانے کو تنہا چلے حسینؑ

پردے میں حرؑ کے کون ہے کھلتا نہیں یہ راز
یارب جسے بچانے کو تنہا چلے حسینؑ

امکانِ حُرؑ ہے جس میں ہے جس میں اُمیدِ حُرؑ
وہ اک دیا جلانے کو تنہا چلے حسینؑ

انسان ہے ، خودی ہے ، خدا ہے کہ کائنات
کیا ہے جسے بچانے کو تنہا چلے حسینؑ

پوشیدہ جس کی گونج میں ہیں زندگی و موت
وہ اک صدا لگانے کو تنہا چلے حسینؑ

آتی ہے روز شام وہی شام لے کے ساتھ
جس شام سرکٹانے کوتنہا چلے حسینؑ

کٹنا جہاں خدا کا گلا تھا وہاں نویدؔ
اپنا گلا کٹانے کو تنہا چلے حسینؑ

کربلا جاری ہے

شہ کا پُرسہ ہے لہو رنگ عزاداری ہے
کربلا جاری ہے
وہی ماتم وہی سجّادؑ کی سالاری ہے
کربلا جاری ہے

صبح پڑھتے ہوئے نوحہ ہے نکلتا سورج
رات آتی ہے تو ہے آہ میں ڈھلتا سورج
ہے وہی صبح وہی شام کی آزاری ہے
کربلا جاری ہے

خونِ ناحق جو بہتّر کا بہا تھا بن میں
شہؑ کے جو حلق بریدہ سے بہا تھا رن میں
آج بھی سنگِ حلب سے وہ لہو جاری ہے
کربلا جاری ہے

فجر ہوتی ہے تو یاد آتی ہے اکبرؑ کی اذاں
جب عشاء ہوتی ہے یاد آتا ہے خیموں کا دھواں
ماتمیوں پہ تو بس کرب و بلا طاری ہے
کربلا جاری ہے

بس سوئے کرب و بلا اپنا سفر رکھنا ہے
اک ہتھیلی پہ سر اک کف پہ جگر رکھنا ہے
کہو خنجر تلے سر رکھنے کی تیاری ہے
کربلا جاری ہے

لے اڑے گی تجھے ہمراہ یہ پروازِ حسینؑ
رات کے پچھلے پہر سُن کبھی آوازِ حسینؑ
یعنی ہر ایک صدا پر یہ صدا بھاری ہے
کربلا جاری ہے

پھر رہے ہیں سحر و شام اُسی پھیرے میں
گھر گیا وقت جہاں شام کے اک گھیرے میں
یہ اُسی شامِ غریباں کی عزاداری ہے
کربلا جاری ہے

ہے خدا بھی وہیں موجود جہاں گریہ ہے
یہاں ماتم کی صدائیں ہیں وہاں گریہ ہے
عرش ہو فرش ہو زینبؑ کی عملداری ہے
کربلا جاری ہے

نوحۂ ناحیہ رو رو کے یہ کہتا ہے نویدؔ
گھاؤ سینے کا نہ مٹتا ہے نہ بھرتا ہے نویدؔ
آج بھی چشم سے مہدیؑ کی لہو جاری ہے
کربلا جاری ہے

نوحہ

ہرصُبح ایک سورج دیتا ہے یہ صدا،جاری ہے کربلا
جاری ہے کائنات میں ھَل مِن کا سلسلہ،جاری ہے کربلا

دروازہ ہے کھلا ہوا آنا ہے جس کو آئے ، جانا ہے جس کو جائے
روشن کیا تھا شہہ نے جو روشن ہے وہ دیا،جاری ہے کربلا

ہرصبح جس سے سُرخ ہے ہرشام جس سے سُرخ، ہنگام جس سے سرخ
کہتی ہے صبح و شام یہ چلتی ہوئی ہوا،جاری ہے کربلا

کرب و بلا ورائے زمان و مکان ہے ، کُن کا جہان ہے
جس کی نہ انتہا ہے نہ ہے جس کی ابتدا ،جاری ہے کربلا

بس ایک استغاثا ہے حیٰ علیٰ الصلواۃ، حیٰ علی الفلاح
ہے کربلا سجائے ہوئے منتظر خدا،جاری ہے کربلا

اپنے لہو سے دشت سجاتے رہیں گے حُر،آتے رہیں گے حُر
فرشِ عزا ہے دہر میں جب تک بچھا ہوا،جاری ہے کربلا

بس کربلا کو دل میں بسانا ہے زندگی، پانا ہے زندگی
ہر دور میں بقا سے بدلنے کو ہر فنا،جاری ہے کربلا

قائم ہے شاہِ دیں کی امامت کا سلسلہ، اقامت کا سلسلہ
جو چاہے آئے آن کے سجدہ کرے ادا،جاری ہے کربلا

تُو زندگی سے اتنا پریشاں ہے کیوں نویدؔ، حیراں ہے کیوں نویدؔ
مِل جائے گی حیات تجھے کربلا میں آ، جاری ہے کربلا

نوحہ

جب خاک اُڑاتا ہُوا آئے گا محرم
آ کر درِ صغراؑ پہ نہ جائے گا محرم

بھر دے گا وہ بکھرے ہوئے بالوں میں سپیدی
صغراؑ کی کمر آ کے جھکائے گا محرم

تکتی ہے وہ جس شمع کی لَو ہجرِ پدر میں
اُس شمع کی لَو آ کے بجھائے گا محرم

صغراؑ کو خبر کب ہے اُجاڑے گا مدینہ
اور دُور کے صحرا کو بسائے گا محرم

کہتی ہے یہ اُس چہرے کی بڑھتی ہوئی زردی
صغراؑ کا جگر لے کہ ہی جائے گا محرم

آئے گا تو دیکھے گا دلِ صغراؑ کو ویراں
صغراؑ کو ہی صغراؑ میں نہ پائے گا محرم

خود اُس سے ہی لے جائے گا وہ اس کی خبر بھی
اکبرؑ کی خبر جب کہ نہ لائے گا محرم

اِس ماہ میں لے جائے گی آگ اُس کا بھرا گھر
اُس کو یہ خبر کیسے سنائے گا محرم

جس دل میں نویؔد آن بسے گا غمِ شبیرؑ
اُس دل کو عزا خانہ بنائے گا محرم

”کربلا کیا ہے“

سوال ہے تو فقط یہ کہ کربلا کیا ہے
ہے جلوہ گر جو پَسِ پردہ وہ خدا کیا ہے
سبب ہے ہونے کا کُن، کُن کی ابتدا کیا ہے
یہ مہر و ماہ کی گردش کا سلسلہ کیا ہے
کھُلے تو کیسے کہ یہ سارا ماجرا کیا ہے
سوال ہے تو فقط یہ کہ کربلا کیا ہے

نکل رہا ہے یہ سورج تو کیوں نکل رہا ہے
زمانہ روز نئے رنگ کیوں بدل رہا ہے
کسی کو وقت، کوئی وقت لے کے چل رہا ہے
کہ گِر رہا ہے کوئی اور کوئی سنبھل رہا ہے
نہ مِل سکا جو زمانے کو وہ سِرا کیا ہے
سوال ہے تو فقط یہ کہ کربلا کیا ہے

شعاعِ نور سے جس کی قدیم روشن ہے
وہ جس کی ضَو سے الف لام میم روشن ہے
دمک سے جس کی رہِ مستقیم روشن ہے
وہ جس کی لَو سے علیؑ العظیم روشن ہے
حسینؑ نے جو جلایا ہے وہ دیا کیا ہے
سوال ہے تو فقط یہ کہ کربلا کیا ہے

ہے کون جس کی ہے بے جلوہ، جلوہ آرائی
سبھی ہیں دید کے طالب سبھی ہیں سودائی
رخِ فنا میں ہے پوشیدہ کس کی زیبائی
بقا میں کیا ہے، عناصر کی کار فرمائی
جہانِ آب و گِل و آتش و ہوا کیا ہے
سوال ہے تو فقط یہ کہ کربلا کیا ہے

شہود کہتے ہیں کس کو وجود کیا شے ہے
ظہور و پید و نزول و ورود کیا شے ہے
ہے کیا یہ ہست کا عالم یہ بود کیا شے ہے
ہیں کیا زمان و مکاں یہ نمود کیا شے ہے
جڑی ہوئی ہے جو اِن سے وہ کربلا کیا ہے
سوال ہے تو فقط یہ کہ کربلا کیا ہے

ہے کیا جو ''کیوں'' میں ہے گم ''کیا'' میں کیا چھپا ہوا ہے
کہ سب پڑھا ہُوا ہے اور سب سنا ہُوا ہے
یہ لگ رہا ہے مگر اب بھی کچھ رہا ہُوا ہے
ابھی ہے کچھ جو بہت کچھ تلے دبا ہوا ہے
ہر اک سِرے کا سِرا ہے جو وہ سِرا کیا ہے
سوال ہے تو فقط یہ کہ کربلا کیا ہے

چلو حسینؑ کے دَر پر سوال کرتے ہیں
وہیں جہاں پہ قلندرؒ دھمال کرتے ہیں
رُکی ہوئی ہیں جو سانسیں بحال کرتے ہیں
بڑھا کے کاسہ بیاں دل کا حال کرتے ہیں
اُنھیں سے پوچھیں کہ اُن سے چھپا ہُوا کیا ہے
سوال ہے تو فقط یہ کہ کربلا کیا ہے

ندایہ آئی یہ ''کیوں'' اور ''کیا'' ہے تیرے لیے
خودی ہے تیرے لیے اور خدا ہے تیرے لیے
فنا ہے تیرے لیے اور بقا ہے تیرے لیے
جہانِ کن فیہ کوں آئینہ ہے تیرے لیے
تُو خود کو پالے تو پالے گا ہر حقیقت کو
خُدا کے ساتھ سمالے گا ہر حقیقت کو

یہ عرش و فرش بنائے گئے ہیں تیرے لیے
ستارے برُج میں لائے گئے ہیں تیرے لیے
یہ مہروماہ سجائے گئے ہیں تیرے لیے
خزانے سارے لُٹائے گئے ہیں تیرے لیے
خدانے فطر پہ اپنے تجھے بنایا ہے
پھر اپنے امر سے سینہ ترا سجایا ہے

یہ کربلا ہے فنا و بقا کا آئینہ
خودی کا آئنہ ہے یہ خدا کا آئینہ
علیؑ کا چہرہ ہے یہ مصطفیٰ کا آئینہ
یہ ہے اللہ کا مصحف، ہے لا کا آئینہ
اِس آئنے میں تُو خود کو سنوار حُر کی طرح
اِس آئنے سے تُو خود کو گزار حُر کی طرح

ہر اک سِرے کا سِرا کربلا میں ہے پنہاں
ہر ایک کُن کی بنا کربلا میں ہے پنہاں
ہر ایک شے کا پتا کربلا میں ہے پنہاں
یہاں تلک کہ خدا کربلا میں ہے پنہاں
تو آکے دیکھ ذرا کر بلا میں کیا نہیں ہے
یہاں نمازِ شہادت کبھی قضا نہیں ہے

ہر اک زمانے میں کرب و بلا ہے پائندہ
اِسی کی تہہ میں ہیں ماضی و حال و آئندہ
اِسی نے حُر کا ستارہ کیا ہے تابندہ
مَرا جو مَوت سے پہلے وہ ہوگیا زندہ
کھُلا اُسی پہ خدا کی رضا کا دروازہ
بنا اُسی کی پنہہ سیدہؑ کا دروازہ

سنُ اے اسیرِ تغیّر، رہِ ثبات پہ چل
کہ صیدِ وقت ہے تُو، اپنے صبح شام بدل
نکل شکنجہء حرص و ہوا سے دُور نکل
یہ دیکھ، دیکھ رہی ہے نگاہِ عزّہ و جل
کریمِ کرب و بلا تیرا ہاتھ تھامے ہیں
یہ تیرا ہاتھ نہیں ہے حیات تھامے ہیں

حسین دشت سجائے کھڑے ہیں تیرے لیے
خود اپنے خوں میں نہائے کھڑے ہیں تیرے لیے
بلا کی دھوپ میں ہائے کھڑے ہیں تیرے لیے
کھڑے ہیں جام اُٹھائے کھڑے ہیں تیرے لیے
کھڑے ہیں خنجر و تیر و سنان کھائے ہوئے
مگر نگہ ترے رستے پہ ہیں لگائے ہوئے

ہیں جانکنی میں غریب الدّیار دیر نہ کر
نہ کر اب اور اُنہیں اشکبار دیر نہ کر
کرا نہ اور اُنہیں انتظار دیر نہ کر
اک اور تیر نہ کر دل کے پار دیر نہ کر
کہیں یہ دیر تجھی کو نہ تجھ سے گُم کر دے
ترے جواز کو، مقصد کو، ہائے گُم کردے

کوئی ہے شانہء تلقین جو ہلاتا ہے
کوئی ہے سوئے ہوؤں کو کہ جو جگاتا ہے
کوئی فلاح کا مالک صدا لگاتا ہے
نویدؔ چل سوئے مقتل کوئی بُلاتا ہے
زمانہ ساز، توُ مہدیؑ کے انتظار میں ہے
کریمِ کرب و بلا تیرے انتظار میں ہے

نوحہ

بتا مجھے مرے حُرؑ، ہے کہاں حسینؑ کا در
کہاں ہے میرا پتا اور کہاں ہے میری خبر
بھٹکتا پھرتا ہوں میں عرش و فرش کے مابین
خراب و خستہ و واماندہ، مضطر و بے چین
ہُوں در بہ در مجھے سینے سے وہ لگائے گا
حُسینؑ ہی ہے جو مجھ سے مجھے ملائے گا
میں کربلا نہیں جاؤں تو پھر کہاں جاؤں
نہ خود کو ڈھونڈ کے لاؤں تو پھر کہاں جاؤں

جو کاٹ دی گئی جنّت مِری تہہِ خنجر
میں اُس کا غم نہ مناؤں تو پھر کہاں جاؤں

جہاں لگی علیؑ اکبر کے قلب میں برچھی
وہاں نہ خاک اُڑاؤں تو پھر کہاں جاؤں

میں ہوں مُسافرِ گم گشتہ ڈھونڈنے خود کو
جو نینوا نہیں جاؤں تو پھر کہاں جاؤں

مِرے لیے جو لہو میں نہائے اُن کے لیے
خود اپنا خوں نہ بہاؤں تو پھر کہاں جاؤں

رواں ہے وقت کے کاندھے پہ اک سیہ تابوت
نہ اپنا شانہ بڑھاؤں تو پھر کہاں جاؤں

میں یاد کر کے اندھیرے کو شامِ غربت کے
کوئی دِیا نہ جلاؤں تو پھر کہاں جاؤں

قسم ہے زانوئے شہہ کی سوائے کرب و بلا
کہیں بھی چین نہ پاؤں تو پھر کہاں جاؤں

فقیر ہوں ہے مِری خاک کی سرشت نویدؔ
اگر صدا نہ لگاؤں تو پھر کہاں جاؤں

نوحہ

مَیں خود کو سرِ کرب و بلا ڈھونڈ رہا ہُوں
زندہ ہُوں کہ مُردہ ہُوں اگر ہوں تو میں کیا ہُوں
یہ کربلا ماضی ہے کہ ہے حال کہ فردا
مَیں تھا کہ نہیں، ہُوں کہ نہیں، ہُوں گا نہ ہُوں گا
کیا وقت کا پھیلاؤ ہے عاشور کا عرصہ
نزدیک کا عرصہ ہے کہ یہ دُور کا عرصہ

جب گردنِ شبیرؑ پہ شمشیر رواں تھی
اے وائے کہاں تھا مَیں مری روح کہاں تھی

جب آندھیاں اُٹھیں تھیں لرزتی تھی زمیں جب
ٹوٹی ہوئی جب سینۂ اکبرؑ میں سناں تھی
اے وائے کہاں تھا مَیں مری روح کہاں تھی

جب ماں تھی درِ خیمہ پہ بکھرائے ہوئے بال
تولے ہوئے جب تیر علیؑ اصغر پہ کماں تھی
اے وائے کہاں تھا مَیں مری روح کہاں تھی

ٹکڑے دلِ شبّرؑ کے تھے جب خاک پہ بکھرے
جب گھوڑوں کی ٹاپوں تلے اک لاشِ جواں تھی
اے وائے کہاں تھا مَیں مری روح کہاں تھی

دو بازو جدا تن سے تڑپتے تھے سرِ خاک
جب خوں کی ندی مَشکِ سکینہؑ سے رواں تھی
اے وائے کہاں تھا مَیں مری روح کہاں تھی

کانوں سے ٹپکتا تھا لہو جلتا تھا دامن
گھبرائی ہُوئی شعلوں میں جب ننّھی سی جاں تھی
اے وائے کہاں تھا مَیں مری روح کہاں تھی

جب ہتھکڑی ہاتھوں میں تھی تھا طوق گلے میں
جب پاؤں میں سجّادؑ کے زنجیرِ گراں تھی
اے وائے کہاں تھا مَیں مری روح کہاں تھی

جب چادریں لُٹنے کا تھا اک شور حرم میں
جب خامشی مقتل میں تھی جب شام دھواں تھی
اے وائے کہاں تھا مَیں مری روح کہاں تھی

یہ زخم نویدؔ آہ بھرا ہے نہ بھرے گا
جب چادرِ تطہیر سرِ نوکِ سناں تھی
اے وائے کہاں تھا مَیں مری روح کہاں تھی

نوحہ

دشت سے نکلا ہے جو دے کر اذانِ یا حسینؑ
جا رہا ہے سوئے محشر کاروانِ یا حسینؑ

گونجتی جاتی ہے جو ہر دو جہاں میں کُن کے ساتھ
جانے یہ دھڑکن ہے دل کی یافغانِ یاحسینؑ

اوّل و آخر ہیں اس کی تہہ میں گم سات آسماں
کس بلندی پر ہے یارب آسمانِ یا حسینؑ

اب تری مرضی ہے اپنے دل کی سُن چاہے نہ سُن
ہے ہر اک دل کی زباں یعنی زبانِ یاحسینؑ

دے صدا تُو فرش پر گونجے گی جا کر عرش پر
اس مکاں سے مُتصل ہے لا مکانِ یا حسینؑ

اے شبِ عاشور آہستہ گزر دم لے ذرا
رہنے دے زینبؑ کی جاں میں ہائے جانِ یا حسینؑ

رات کے پچھلے پہر تھا اک طرف دریا کا شور
اک طرف اہلِ حرم میں تھی فغانِ یا حسینؑ

ایک ہی منظر ہے میری آنکھ کے آگے نویدؔ
اک جہاں ہے میری نظروں میں جہانِ یا حسینؑ

حسینؑ کا غم

جہانِ کُن کی ہے وجہہِ نُمو حسینؑ کا غم
خودی تلاش خدا جستجو حسینؑ کا غم

مِرا کلامؑ مِرا قہقہہؑ مِرا گریہ
مرِی خموشی مِری گفتگو حسینؑ کا غم

وجودِ خاکِ پریشاں سے تادمِ اکسیر
ہے میرا زخم ہے میرا رُفو حسینؑ کا غم

میں رندِ رند ہوں میں مستِ مست ہوں یعنی
ہے میرا جام ہے میرا سبو حسینؑ کا غم

سو میں ہُوں رقص بہ نار اور میں ہُوں رقص بہ خار
مِری دھمال مِری ھا وَ ھُو حسینؑ کا غم

یہی کہ جنبشِ مژگاں سے دل کی دھڑکن تک
ہے میری نبض، ہے میرا لہو، حسینؑ کا غم

مِرا قیام، ہے میرا رکوع، میرا سجود
مِری صلواۃ، ہے میرا وضو، حسینؑ کا غم

نہ کوئی دائیں نہ بائیں نہ کوئی پیش نہ پَس
ہے میرے گِرد مِرے چار سو حسینؑ کا غم

ہے کربلا کہ عزا خانہء قدیم کوئی
ہے آئنہ کہ مِرے رو بہ رو حسینؑ کا غم

ہزار سرمد و لاہوت و لامکاں نویدؔ
مِری طلب، ہے مِری آرزو، حسینؑ کا غم

یاحسینؑ

دے رہی ہے یہ نِدا پیہم صدائے یاحسینؑ
اب جہاں میں کچھ نہیں ہونا سوائے یاحسینؑ

دائرہ بڑھنے تو دو ماتم کی لَے چڑھنے تو دہ
ہو ہی جائے گا زمانہ آشنائے یاحسینؑ

خاک اُڑاتا پھر رہا ہوں ''لا'' سے ''الااللہ'' تک
ڈھونڈنے نکلا تھا میں کیا ہے بنائے یاحسینؑ

واصلِ نورِ الستی کیوں نہ ہو وہ مَست الَست
پا لیا ہو جس کے دل نے مدّعائے یاحسینؑ

بس وہی ہے محرمِ کُن محرمِ رازِ نہاں
دل دھڑکتا ہو یہاں جس کا برائے یاحسینؑ

کچھ نہیں ہم نے کیا کچھ بھی نہ ہم سے ہو سکا
کچھ نہیں ہم سے ہُوا ہائے سوائے یاحسینؑ

رات کے پچھلے پہر لَو دے جو گریے کی صدا
ہر طرف سے ایک ہی آواز آئے یاحسینؑ

جان تھی جس کی یہ حسرت بھی اُسی کی تھی نویدؔ
کیا تھا اپنے پاس جو کرتے فدائے یاحسینؑ

لاج رکھ لی اہلِ غم کی اِس صدا نے اے نویدؔ
ورنہ کیا دیتے صدا آخر بجائے یاحسینؑ

کربلا والوں کے نام

میری نیتّ میرا سجدہ کربلا والوں کے نام
میرا سَر اور میرا سودا کربلا والوں کے نام

قریہ قریہ کو بہ کو کوچہ بہ کوچہ سُو بہ سُو
خاک اُڑانا رقص کرنا کربلا والوں کے نام

کیا گزر اور کیا بسر اور کیا قیام اور کیا سفر
صُبح کرنا شام کرنا کربلا والوں کے نام

کیا خودی اور کیا خدا اور کیا فنا اور کیا بقا
نبض چلنا دل دھڑکنا کربلا والوں کے نام

کیا المیہ کیا طربیہ کیسا غم کیسی خوشی
میرا نوحہ میرا نغمہ کربلا والوں کے نام

کیا حذر کیا الحذر کیا تشنگی کیا ماحضر
میرا لقمہ میرا فاقہ کربلا والوں کے نام

کیا وجود اور کیا نشاں اور کیا پتنگا کیا دھواں
میرا بننا میرا مِٹنا کربلا والوں کے نام

کیسی صبحیں کیسی شامیں کیسی راتیں کیسے دن
میرا مرنا میرا جینا کربلا والوں کے نام

کیا مکاں کیا لامکاں اور کیا عدد کیا لا عدد
میرا رُکنا میرا چلنا کربلا والوں کے نام

نیست کیا اور ہست کیا اور بود کیا اور رفت کیا
میرا آنا میرا جانا کربلا والوں کے نام

طائرِ لاہوت ہوں میں طائرِ سدرہ ہوں میں
میرا پانی میرا دانہ کربلا والوں کے نام

خیمۂ شہہؑ میں ہوں مَیں عاشور کی شب کا دیا
میرا بُجھنا میرا جَلنا کربلا والوں کے نام

اِس میں پنہاں رازِ اقراء اِس میں پنہاں رازِ قُلّ
یہ کلام اور یہ صحیفہ کربلا والوں کے نام

میں نے کیا سوچا نویدؔ اور میں نے کیا سمجھا نویدؔ
میرا سوچا میرا سمجھا کربلا والوں کے نام

نوحہ

جس خون پر رکھی گئی بنیادِ لاالہ ہے خونِ کربلا
جس خون کو خدا نے خود اپنا لہو کہا ہے خونِ کربلا

ورنہ وہ کون تھا جو بجھاتا خدا کی پیاس، اُس کبریا کی پیاس
جس خون نے پیالۂ توحید بھر دیا ، ہے خونِ کربلا

وہ جس کے دَم سے روشنی آئی وجود میں ، سمائی وجود میں
جوطاقِ سرمدی کے لیے بن گیا دیا، ہے خونِ کربلا

جو خون چشمِ ساقی سے جاری ہے آج بھی، کہتی ہے ہرصدی
جو خون چشمِ عابدؑ مضطر میں جم گیا ، ہے خونِ کربلا

یعنی ہے اشتغاثۂ شبیرؑ درمیان، تُو مان یا نہ مان
ہر کُن کی ابتدا ہے جو ہر کُن کی انتہا ہے خونِ کربلا

جو دین کی اذاں ہے اقامت ہے دین کی، حُرمت ہے دین کی
عابدؑ کا جو عمامہ ہے زینبؑ کی ہے ردا، ہے خونِ کربلا

وہ جس کی بُوئے تازہ دبائی نہ جاسکی ، مٹائی نہ جاسکی
جوخون ظالموں سے چھپائے نہ چھپ سکا ، ہے خونِ کربلا

اک روز دشتِ کرب و بلا سے گزر نویدؔ آ کر ٹھہر نویدؔ
جس خون میں کہ رازِ خُدا ہے چھپا ہوا، ہے خونِ کربلا

نوحہ

عصر کا ہنگام ہے منظر سے جاری ہے لہو
کب گلو سے ہے رواں خنجر سے جاری ہے لہو

تیر تو شبیر پر برسے ہیں لیکن اے خدا
چادرِ زینبؑ ہے چھلنی سر سے جاری ہے لہو

ہورہی ہے خلق پر شبیرؑ کی حجت تمام
شامِ غربت گردنِ اصغرؑ سے جاری ہے لہو

صبح عاشورہ اسی سینے سے نکلی تھی اذاں
اس لیے کیا سینہ اکبرؑ سے جاری ہے لہو

ہائے عمّو ہے سکینہؑ کی زبانِ خشک پر
ہاتھ میں سوکھے ہوئے ساغر سے جاری ہے لہو

صاحبِ منبر کٹھرے میں ہے مسند پر لعیں
غربتِ سجادؑ پر منبر سے جاری ہے لہو

کیا لہو رونا اسے کہتے ہیں اے چشمِ خدا
گریہ سجاد پر پتھر سے جاری ہے لہو

خون رُوتا تھا قلم لکھتے ہوئے نوحہ نویدؔ
لیکن اب کے بار تو مستر سے جاری ہے لہو

نوحہ

لا الہ تری بقا ہے کربلا
ابتداء ہے انتہا ہے کربلا

اِس سے روشن سیدہؑ کی ہر دلیل
اِس سے روشن مرتضیٰ کی ہر دلیل
اِس سے روشن مصطفیؐ کی ہر دلیل
دستِ زینبؑ کا دیا ہے کربلا

سجدہ گاہِ کبریا ہے کون ہے
تجھ میں پوشیدہ خدا ہے کون ہے
تو فنا ہے یا بقا ہے کون ہے
حُرؑ سے تو نے کیا کہا ہے کربلا

کہہ رہی ہے انبیاء کی یہ قطار
کہہ رہی ہے اولیاء کی یہ قطار
کہہ رہی ہے اوصیا کی یہ قطار
تیرا دروازہ کُھلا ہے کربلا

جس میں ہے توحید دستورِ حجاب
جس میں ہے توحید معمورِ حجاب
جس میں ہے توحید مستورِ حجاب
وہ تو زینبؑ کی ردا ہے کربلا

گونجتی ہے یہ جو ہل من کی اذاں
ہے تہہِ خنجر گلوئے کن فکاں
لمحہ لمحہ ہے تہِ نوکِ سناں
ہر نفس ہر پل بپا ہے کربلا

کربلا سے دُور ہیں جو بے پناہ
خود تراشیدہ خدا جن کا الہٰ
اُن کو کیا معلوم اللہ کی راہ
لا الہٰ کا راستہ ہے کربلا

پردۂ غفلت اٹھا کر دیکھ لو
موت کو دل سے لگا کر دیکھ لو
اپنی آنکھوں سے خود آ کر دیکھ لو
پوچھتے کیا ہو کہ کیا ہے کربلا

ایک سرورؑ کا بریدہ سر ہے سُن
اور سرِ زینبؑ کی اک چادر ہے سُن
سرخیٔ خونِ علی اصغرؑ ہے سُن
جن کے دم سے کربلا ہے کربلا

آ رہی ہے جو بطرفِ مشرقین
آ رہی ہے جو بطرفِ مغربین
آ رہی ہے جو صدا ہائے حسینؑ
کس کے گریے کی صدا ہے کربلا

سیدہ کیا مرتضیٰ کیا ہے نوید
مجتبیٰ ؑ کیا مصطفیٰؑ کیا ہے نوید
کیا کہوں اِس کے سوا کیا ہے نوید
کربلا ہے کربلا ہے کربلا

کربلا ہو چکی ہے، کربلا ہو رہی ہے، کربلا ہونی ہے

جانے والوں کے لیے، بسنے والوں کے لیے آنے والوں کے لئے
کربلا ہوچکی ہے، کربلا ہورہی ہے، کربلا ہونی ہے

کربلا کب ہے زماں، کربلا کب ہے مکاں، روحِ تہذیبِ جہاں
آشنا ہوچکی ہے، آشنا ہورہی ہے، آشنا ہونی ہے

کربلا حرؑ کی پسند، کربلا حرؑ کی زقند، ہر زمانے سے بلند
یہ بپا ہوچکی ہے، یہ بپا ہورہی ہے، یہ بپا ہونی ہے

کربلا حرؑ کا ہے ناز، کربلا حرؑ کا نیاز، کربلا حرؑ کی نماز
جو ادا ہوچکی ہے، جو ادا ہورہی ہے، جو ادا ہونی ہے

حرؑ سے مستانے کی راکھ، حرؑ سے فرزانے کی راکھ، حرؑ سے پروانے کی راکھ
کیمیا ہوچکی ہے، کیمیا ہورہی ہے، کیمیا ہونی ہے

ہے جو ھل من کی صدا، ہے وہی کُن کی صَدا، جزو کی کُل کی صَدا
یہ صدا ہوچکی ہے، یہ صدا ہورہی ہے، یہ صدا ہونی ہے

تم کہیں تھے کہ نہیں، تم کہیں ہو کہ نہیں، کہیں ہوگے کہ نہیں
ابتدا ہوچکی ہے، ابتدا ہورہی ہے، ابتداء ہونی ہے

ہمیرؔی ہوں کہ کمیتؔ ہوں وہ دعبلؔ کہ انیسؔ، ہوں فرزدقؔ کہ نویدؔ
ہاں عطا ہوچکی ہے، ہاں عطا ہورہی ہے، ہاں عطا ہونی ہے

کربلا

ڈھونڈتا کیا ہے کہاں ہے کربلا
تیرے سینے میں نہاں ہے کربلا

تُو نہ کر اِس کو وقوعے میں تلاش
تُو جہاں بھی ہے وہاں ہے کربلا

جس میں ہر انسان اِک کردار ہے
وہ مُکمّل داستاں ہے کربلا

آدمی کی ترجماں ہے زِندگی
زندگی کی ترجماں ہے کربلا

کارِ دنیا، کارِ ہستی، کارِ دیں
کارِ دِل، کارِ جہاں ہے کربلا

جس میں گُم ہے اوّل و آخر کا راز
نُکتہ ہائے درمیاں ہے کربلا

کہہ رہی ہے دل دھڑکنے کی صدا
لامکانی کا مکاں ہے کربلا

بہنے والے خونِ ناحق کی قسم
بے زبانی کی زباں ہے کربلا

ساکنانِ ماضی و فردا و حال
وقت کی صورت رواں ہے کربلا

کہہ رہے ہیں آدمؑ و خاتمؐ نویدؔ
ہر زمانے کی اذاں ہے کربلا

کائینات کا ماتم

تشنگانِ فرات کا ماتم
دن کا ماتم ہے رات کا ماتم

ہے بپا سینۂ تغیر میں
کربلا کے ثبات کا ماتم

سب زمان و مکان روتے ہیں
ہے یہ کل کائنات کا ماتم

ہے بپا شش جہات میں ہائے
ذاتِ والا صفات کا ماتم

ہیں سیہ پوش ساعت و تقویم
ہے بپا جدلیات کا ماتم

کر رہے ہیں بپا وجود و عدم
واجب و ممکنات کا ماتم

ہیں جو نوحہ کناں فنا و بقا
ہے حیات و ممات کا ماتم

کیا کہوں کب کسی پہ احساں ہے
ہے یہ اپنی نجات کا ماتم

بات بے بات ہو رہا ہے نویدؔ
ہر طرف شہہؑ کی بات کا ماتم

ماتمی

آؤ بتلاتا ہوں تم کو میں کہ کیا ہے ماتمی
سایۂ زینبؑ میں زہراؑ کی دُعا ہے ماتمی

صرف زہراؑ کو ہے اس کی قدر و قیمت کی خبر
عقل کے اِدراک سے تو ماوٗرا ہے ماتمی

آسماں پر جب نیا تارا کوئی ظاہر ہوا
بول اٹھے عرش و زمیں پیدا ہوا ہے ماتمی

تیز ہوتی جارہی ہے دم بہ دم ماتم کی لَے
حلقۂ ماتم میں کوئی آرہا ہے ماتمی

کس طرح سے رہ کے زندہ رزق پاتے ہیں شہید
کیسے یہ جانے کوئی کیا پارہا ہے ماتمی

بے بشارت کوئی کیا جانے ہے کیا اجرِ عظیم
کیا خبر بے ماتمی کو ہائے کیا ہے ماتمی

وا حُسینا کہہ کے روئے مشرقین و مغربین
ماتمی سے جب کوئی آ کر ملا ہے ماتمی

اُس کے دامن تک نہ اٹھ کر گردِ دنیا آسکی
جیسا آیا ویسا دنیا سے گیا ہے ماتمی

نوری و خاکی سمجھ کر جاننا آساں نہیں
جانے کس ترکیب و طینت سے بنا ہے ماتمی

کیا کہوں میں چلتا پھرتا اِک عزاخانہ ہے وہ
کربلا جس میں دِکھے وہ آئینہ ہے ماتمی

دو سِروں کے درمیاں ہے عالمِ ہست و وجود
اک سِرا وحدانیت ہے اک سِرا ہے ماتمی

روشنی سے اپنی ہی روشن ہے جو روشن ضمیر
ہر عزاء کی انجمن کا وہ دیا ہے ماتمی

چھوڑ دے کرسی ذرا اے عرش کر جھک کر سلام
خون میں اپنے ہی ڈوبا آرہا ہے ماتمی

کیا حِصارِ لفظ میں آئے بیاں اُس کا نویدؔ
میں نے جو لکھا ہے اُس سے بھی سوا ہے ماتمی

نوحہ

حسینؑ بولے مَیں سر کٹانے کو جارہا ہُوں گواہ رہنا
خودی بچانے خدا بچانے کو جارہا ہُوں گواہ رہنا

گواہ رہنا بتا رہا ہُوں کہ اختیارِ حسینؑ کیا ہے
گواہ رہنا دکھا رہا ہُوں کہ اختیارِ حسینؑ کیا ہے
بشر کے سینے میں دل بنانے کو جارہا ہُوں گواہ رہنا

گواہ رہنا بہت اندھیرا ہے حدِّ امکاں سے لامکاں تک
کہ کھو گیا ہے ہر اک یقیں تک کہ کھو گیا ہے ہر اک گماں تک
چراغِ ہستی کی لَو بڑھانے کو جارہا ہُوں گواہ رہنا

گواہ رہنا کہ ایک کرنے کو جارہا ہوں میں چشم و جلوہ
جو حُرؑ میں اک حُرؑ چُھپا ہُوا ہے پڑا ہے جو حُرؑ پہ حُرؑ کا پردا
وہ پردۂ درمیاں اُٹھانے کو جارہا ہُوں گواہ رہنا

گواہ رہنا دیا بُجھا کر میں اپنی بیعت اُٹھا رہا ہوں
ہر اک شریعت ہوئی مُعطل یہ فیصلہ میں سنا رہا ہوں
ہَوا کے رُخ پر دیا جلانے کو جارہا ہُوں گواہ رہنا

گواہ رہنا رگِ گُلو سے چلا ہوں میں کاٹنے کو خنجر
ہے کون زندہ، ہے کون مُردہ، ہے کون کوثر، ہے کون ابتر
کہ حّق و باطل کی حَد بنانے کو جارہا ہُوں گواہ رہنا

گواہ رہنا کہ جارہا ہُوں بنانے کعبہ بنانے قبلہ
گواہ رہنا کہ زیرِ خنجر برستے تیروں میں کرکے سجدہ
خدا کو یعنی خدا بنانے کو جارہا ہُوں گواہ رہنا

گواہ رہنا کہ میں ہُوں تنہا سفینۂ کربلا کا وارث
نبی کا وارث ولی کا وارث خودی کا وارث خدا کا وارث
بدن پہ لاکھوں مَیں تیر کھانے کو جارہا ہُوں گواہ رہنا

نویدؔ کتنا غریب ہُوں مَیں نویدؔ کتنا امیر ہوں میں
جو دیکھو ظاہر تو ہُوں میں بندہ جو دیکھو باطن کبیر ہوں میں
لہو میں اپنے میں خود نہانے کو جارہا ہُوں گواہ رہنا

نوحہ

صدا مقتل نے دی اور سَر کٹانے آگئے شبیرؑ
خُدا کے دین کی بگڑی بنانے آگئے شبیرؑ

یہ کیسا عشق ہے وحدانیت اُس کی بچانے کو
بدن پر اپنے لاکھوں تیر کھانے آگئے شبیرؑ

جو نورِ عشق سے کرنا تھا روشن ہر زمانے کو
سو مقتل میں چراغ اپنے بجھانے آگئے شبیرؑ

بھٹکتے پھر رہے تھے جانے کتنے حُرؑ اندھیروں میں
چراغِ لاالہٰ خوں سے جلانے آگئے شبیرؑ

زمیں سے آسماں تک ایک سنّاٹا سا طاری تھا
صدا ھَل مِن کی مقتل میں لگانے آگئے شبیرؑ

بتانا تھا کہ عشق اک خوں کا دریا پار کرنا ہے
سو اپنے خون میں خود ہی نہانے آگئے شبیرؑ

ازل سے تا ابد اِک سلسلہ جاری تو کرنا تھا
سو اپنی لَو سے حُر کی لَو مِلانے آگئے شبیرؑ

اُٹھا جامِ شہادت چل نویدؔ اُس دشتِ غربت میں
جہاں سب کو مئے وحدت پلانے آگئے شبیرؑ

نوحہ

دیکھتی تھی راہ، کب سے کربلا، آگئے حسینؑ
لو صفیں بنیں، لو علم کُھلا، آگئے حسینؑ

لو چلی ہَوا، دشت میں لگا، خیمہ آگ کا
پیالہء لہو، لے کے کربلا، آگئے حسینؑ

چومنے جبیں، آئے انبیاؑ، آئے اولیاؑ
ہاتھ تھامنے، خود بڑھا خُدا، آگئے حسینؑ

دشت و دَر کِھلے، خشک و تر کِھلے، بحر و بر کِھلے
دشتِ کربلا، گونجنے لگا، آگئے حسینؑ

یا ہوں مشرقین یا ہوں مغربین، یا ہوں عالمین
ہر طرف سے تھی ایک ہی صدا آگئے حسینؑ

کون ہے کدھر، ہوگئی سحر، آگئی خبر
دشت بس گیا، جل گیا دیا آگئے حسینؑ

تنگ تھی بہت، جس میں کائنات، کٹ گئی وہ رات
ہوگیا طلوع، مہرِ کربلا آگئے حسینؑ

کیسی ابتدا، کیسی انتہا، لگ چُکی صدا
چل نویدؔ چل، سُوئے کربلا، آگئے حسینؑ

نوحہ

شہؑ نہ خنجر پہ نہ شہؑ خستہ تنی پر روئے
اپنے قاتل کی مگر زود حسی پر روئے

اپنے زخموں کو کہاں روئے کریم ابنِ کریم
جس کسی نے بھی دیا زخم اُسی پر روئے

اپنے پیراہنِ خستہ کا کوئی غم نہ کیا
حاکمِ شام کی بے پیرہنی پر روئے

تیر جس نے بھی کہیں تولا چلانے کیلئے
کرکے حُجّت کو تمام اُس کی کجی پر روئے

دلِ اکبرؑ کی قسم ہائے سنان ابنِ اَنس
کھینچ کر برچھی تِری سنگ دلی پر روئے

مَل کے چہرے پہ خود اپنے علیؑ اصغر کا لہو
قاتلِ دیں تیری دنیا طلبی پر روئے

اپنے اصحاب سے اک شام اٹھا کر بیعت
ابنِ مرجانہ کی بیعت طلبی پر روئے

جب نہ رو کے سے رُکے حرص و ہَوا کے بندے
نفس کے ماروں کی اِس تیز روی پر روئے

اُن کی ہی نظروں سے دیکھا کیسے گِرتے اُن کو
کب حسینؑ اُن کی کسی بے ادبی پر روئے

اِس میں کچھ خاص نہیں ماضی و حال و فردا
اشتغاثا تو یہ کہتا ہے سبھی پر روئے

کرے ماتم تو کرے غربتِ شہہؑ کا ماتم
کوئی روئے تو حسینؑ ابنِ علیؑ پر روئے

خون اصغرؑ کا بہا کر بھی نہ سنبھلے جو نویدؔ
کیوں خدا اُن کی نہ بے راہ روی پر روئے

نوحہ

حسینؑ آ گئے کرب و بلا بسانے کو
گلا خود اپنا خدا کی جگہ کٹانے کو

پناہ ڈھونڈنے جائے کہاں تری توحید
نہ ہو جو مقتلِ شبیرؑ سر چھپانے کو

خدا بچانے کو جائے کہاں تری زینبؑ
کہ اب ردا کے سوا کچھ نہیں لٹانے کو

سوائے خون نہیں کچھ بھی دیکھنے کیلئے
سوائے تیغ نہیں کچھ گلے لگانے کو

یہ کہہ رہے ہیں بہتّر چراغ مقتل کے
حسینؑ چاہیے اے شب دیا بجھانے کو

صدا لگانے کو ہل من کی چاہئے ہے حسینؑ
حسینؑ چاہیے حق کیطرف بلانے کو

یہ وزنِ کرب و بلا ہے کسی سے کیا اٹھے
حسینؑ چاہیے اِس وزن کے اٹھانے کو

سوائے نوحہ لکھے تو نویدؔ کیا لکھے
سوائے نوحہ نہیں کچھ نہیں سنانے کو

نوحہ

یہ کون ہے پیاسا جنجر کی جو پیاس بجھانے آیا ہے
ظاہر میں تو یہ بندہ ہے مگر توحید بچانے آیا ہے

جو پتھر کھاتا جاتا ہے جو خوں میں نہاتا جاتا ہے
محشر تک حرؑ کے رستے سے ہر سنگ ہٹا نے آیا ہے

ہے نعمتِ رزقِ شہادت کیا یہ موت کے مارے کیا جانیں
ہے جس کی پنہہ میں الااللہ کیوں جان سے جانے آیا ہے

خیمے میں یہ کس سے آئی ہے عاشور کی شب بیعت لینے
جو دیا بجھانے آیا ہے بیعت کو اٹھانے آیا ہے

کوئی حرص و ہوا کے مارے ہوئے اِن لُوٹنے والوں سے پوچھے
وہ کیا ہے جس کے بچانے کو سب کچھ وہ لٹانے آیا ہے

جانے والا آنے والا ہر ایک زمانہ اُس کا ہے
ھَل مِن کی صدا بن کر وہ جو ہر عہد پہ چھانے آیا ہے

اُس سے پوچھو ہے طریقت کیا اُس سے پوچھو ہے شریعت کیا
اُس سے پوچھو کہ جو مقتل میں قیمت کو چُکانے آیا ہے

گلیوں میں نویدؔ آواز لگا نذرِ اللہ نیازِ حسینؑ
کوئی نہ سُنے یا کوئی سُنے تُو صدا لگانے آیا ہے

نوحہ

گھر سے نکل کے خوں میں نہانے چلے حسینؑ
خُوں میں نہانے دیں کو بچانے چلے حسینؑ

خم کھا گئی تھی جس سے براہیمؑ کی کمر
اُس وزنِ کربلا کو اُٹھانے چلے حسینؑ

باندھے ہوئے ہیں تن پہ جو احرامِ کربلا
کعبہ بچانے حج کے بہانے چلے حسینؑ

گہوارے میں کیا تھا جو وعدہ رسولؐ سے
وعدہ وہ آج اپنا نبھانے چلے حسینؑ

آ دشتِ نینوا میں ہوائے یزیدیت
اپنے لہو سے شمع جلانے چلے حسینؑ

کچھ اِس قدر خدا کی خدائی کی فکر ہے
گھر دے کے گھر خدا کا بچانے چلے حسینؑ

اصغرؑ کو آہ کر کے حوالے زمین کے
خنجر سے اپنی پیاس بجھانے چلے حسینؑ

جو بن سکے نویدؔ کسی سے نہ جُز حسینؑ
سوکھے لبوں وہ بات بنانے چلے حسینؑ

نوحہ

خدا کی بات بنانے حسینؑ جاتے ہیں
حسینؑ کیا ہے بتا نے حسینؑ جاتے ہیں

یہ کیا بچانے کو نکلے ہیں گھر سے لے کے علم
کہ آج کچھ نہ بچانے حسینؑ جاتے ہیں

چلے ہیں گود سے صغراؑ کی لے کے اصغرؑ کو
کہ لاالہ بچانے حسینؑ جاتے ہیں

وہ جس غرور کو لے کر اُٹھی ہے بولہبی
اُسی کے سر کو جُھکانے حسینؑ جاتے ہیں

یہ کیا ستم ہے کہ اسلام کی جو شہہ رگ ہے
اُسی گلے کو کٹانے حسینؑ جاتے ہیں

بجھا سکے تو بجھا آ کے اے ہوائے یزید
دیا ہوا میں جلانے حسینؑ جاتے ہیں

کمر ہیں باپ کی تھامے ہوئے علی اکبرؑ
یہ کس کی لاش اُٹھانے حسینؑ جاتے ہیں

جو اِس کے اہل نہیں اُن کو کیا بتاؤں نویدؔ
یہ کیوں لہو میں نہانے حسینؑ جاتے ہیں

نوحہ

چلو حسینؑ تمہیں کربلا بلاتی ہے
صدائے فاطمہؑ زہراؑ لحد سے آتی ہے

قدم حسینؑ اٹھاتے ہیں سوئے کرب و بلا
قدم سے لپٹی ہوئی کائنات جاتی ہے

خبر ہے شامِ غریباں ترے اندھیرے کو
نبیؐ کے روضے پہ صغراؑ دیے جلاتی ہے

بتا اے ماہِ مُحرّم یہ کون بی بی ہے
جو بال کھول کے بس چاند دیکھے جاتی ہے

یہ کون بی بی ہے اور کس کی راہ تکتی ہے
نہ موت آتی ہے اِس کو نہ نیند آتی ہے

طواف کرتا ہے جس گھر کا خانۂ کعبہ
یہ حاجیوں کی جماعت وہ گھر جلاتی ہے

جو بڑھ کے تیغ کو اپنے گلے لگاتا ہے
خود اُس کو بڑھ کے مشیّت گلے لگاتی ہے

نویدؔ کیا ہُوا لبیک کیوں نہیں کہتے
صدا تو دشت سے ہل من کی اب بھی آتی ہے

نوحہ

اک بوند نہ تھا شہؑ کے بچوں کے پلانے کو
پانی تھا دکھانے کو پانی تھا بہانے کو

جب تک وہ نبیؐ زادے مہماں رہے صحرا کے
یا پیاس تھی پینے کو یا بھوک تھی کھانے کو

اے شام یہ صغراؑ ہے اک ایک کے حُجرے میں
ہر شام جو آتی ہے اک شمع جلانے کو

شہؑ جانے نہیں دیتے میداں میں کسی کو بھی
ہے وجہ یہی شاید حُرؑ ہے ابھی آنے کو

آئی تھی ضعیفی اِک لمحے میں شہؑ دیں پر
جب شاہ جھکے اکبر کی لاش اُٹھانے کو

سجدے میں نویدؔ اس نے سر ہی نہ دیا خالی
چادر بھی دی زینبؑ نے اسلام بچانے کو

نوحہ

ہنگامِ عصر ہے یہ شہ خوں اُگل رہے ہیں
اور تیر چل رہے ہیں
کُل انبیاء سرہانے ہاتھوں کو مَل رہے ہیں
اور تیر چل رہے ہیں

کیسا کوئی ستارہ سُرخ آسماں ہے سارا
وہ آندھیاں ہیں سینوں میں دل دہل رہے ہیں
اور تیر چل رہے ہیں

یعنی نہ ہیں وہ زِیں پر یعنی نہ ہیں زمیں پر
تیروں پہ شاہِ والا کروٹ بدل رہے ہیں
اور تیر چل رہے ہیں

خوں تو رگوں میں کیا ہے خشک اِس قدر گلا ہے
قاتل بھی تھک کے اپنے خنجر بدل رہے ہیں
اور تیر چل رہے ہیں

خود گردنیں کٹانے شبیرؑ کو بچانے
جانے کو رن میں ہائے کم سن مچل رہے ہیں
اور تیر چل رہے ہیں

ہر شام روز جس کو روئے گی یاد کر کے
وہ شام ڈھل رہی ہے خیام جل رہے ہیں
اور تیر چل رہے ہیں

لکھ اے نویدؔ ہے یہ کُل کربلا کا حاصل
ھَل مِن کے لفظ شہ کے منہ سے نکل رہے ہیں
اور تیر چل رہے ہیں

نوحہ

شہہؑ تھام کے لائے ہیں کمر ، مشکِ سکینہؑ
پانی سے نہیں خوں سے ہے تر، مشکِ سکینہ

صدیوں سے تُو غازیؑ کے علم سے جو بندھی ہے
باقی ہے ابھی کتنا سفر ، مشکِ سکینہؑ

سینے میں ترے پیاس بہتّر کی ہے پھر بھی
پانی نہ ہُوا تیرا جگر ، مشکِ سکینہؑ

ہر زخم سے بہتا رہا پانی کی طرح خون
لپٹی رہی سینے سے مگر ، مشکِ سکینہؑ

شرمندہ سکینہؑ سے ہے سقّائے سکینہؑ
شرمندہ ہے غازیؑ سے مگر، مشکِ سکینہؑ

غازیؑ کے دہن کی طرح یہ خشک دہن ہے
کوثر سے لبالب ہے مگر، مشکِ سکینہؑ

پیاسا ہے نویدؔ ایک زمانے سے ہے پیاسا
ہو اُس کی طرف ایک نظر، مشکِ سکینہؑ

نوحہ

الوداع اہلِ حرم الوداع اہلِ حرم
جانے پھر لوٹ کے آئیں کہ نہ آئیں یہ قدم

میرے نانا کی عبا اور عمامہ لاؤ
وہ جو کُرتا مِری اماں نے سِیا تھا لاؤ
اور زینبؑ کو بُلا لاؤ کہ اب وقت ہے کم

بیبیوں دیکھ لو جی بھر کے چلو روئے حسینؑ
گُلِ زینبؑ سے جدا ہوتی ہے خوشبوئے حسینؑ
جانے پھر ہو کہ نہ ہو، لمحہ زیارت کا بہم

بیبیاں حلقہ کیے تھیں تنِ مظلوم کے پاس
بال کھولے ہوئے آنسو لیے معصوم کے پاس
نوحۂ حضرتِ زینبؑ پہ تھا شورِ ماتم

ہاتھ اٹھاتے ہی نہیں ظلم سے یہ بانیٔ شر
لے گئے کاٹ کے یہ عونؑ و محمدؑ کے بھی سر
اب مرے سر کے طلبگار ہیں یہ اہلِ ستم

غش سے عابدؑ کو اٹھا کر کہا بیٹا ہُشیار
لو ہوئی شام ہوئی شام کی منزل تیار
تم ہو اب اور ہے بے پردگی اہل حرم

ہو کے رخصت ہوئے شبیرؑ جو گھوڑے پہ سوار
ایڑھ دیتے تھے تو چلتا نہ تھا آگے رہوار
ایک بچی تھی جو رہوار کے تھامے تھی قدم

کرکے سینے سے سکینہؑ کو جدا شہہؑ نے نویدؔ
جاؤ خیمے میں سکینہؑ سے کہا شہہؑ نے نویدؔ
پھر بڑھے سوئے فرس شاہِ ہُدا تیز قدم

نوحہ

سر پہ عاشور کا سورج ہے اکیلے ہیں حسینؑ

دفن کرکے علی اصغرؑ کو جو اُٹھتے ہیں حسینؑ
اپنی غربت پہ بہت خاک اُڑاتے ہیں حسینؑ
آہ کرتے ہوئے دل تھام کے چلتے ہیں حسینؑ
سوئے خیمہ کبھی بڑھتے کبھی رُکتے ہیں حسینؑ
دے کے زینبؑ کو صدا خاک پہ گرتے ہیں حسینؑ

کرکے قرباں علی اصغرؑ کو ابھی اُٹھے ہیں
حشر تک روک کے محشر کو ابھی اُٹھے ہیں
تھام کر مرضیِ داور کو ابھی اُٹھے ہیں
دے کے آواز بہتر کو ابھی اُٹھے ہیں
اے خدا ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے ہیں حسینؑ

ہے درِ خیمہ پہ ماں قاسمؑ بے پر اُٹھو
میرے ننھے سے مجاہد مرے اصغرؑ اٹھو
ماں بُلاتی ہے تمہیں اے علی اکبرؑ اٹھو
تم کو زینبؑ نے بُلایا ہے برادر اٹھو
ایک اِک لاشے سے جا جا کے لپٹتے ہیں حسینؑ

صبح سے شام تلک کٹ گیا لشکر زینبؑ
آنکھ کے سامنے اُجڑا ہے بھرا گھر زینبؑ
کھا کے سینے پہ سناں مرگیا اکبرؑ زینبؑ
لُٹ گیا تیری قسم تیرا برادر زینبؑ
رکھ کے سر شانے پہ زینبؑ کے بلکتے ہیں حسینؑ

الوداع کہہ کے ہوئے شاہؑ جو گھوڑے پہ سوار
ایڑھ دیتے تھے تو بڑھتا نہ تھا آگے رہوار
میں چلوں کیسے! کہا گھوڑے نے شہؑ سے اِک بار
میرے قدموں سے تو لپٹی ہے سکینہؑ سرکار
سن کے یہ گھوڑے سے بس خود کو گراتے ہیں حسینؑ

تنگ رسی سے گلا اپنا بندھانا بیٹی
دے کے کانوں کے گہر دیں کو بچانا بیٹی
قتل ہوجاؤں تو آنسو نہ بہانا بیٹی
تم مجھے ڈھونڈنے مقتل میں نہ آنا بیٹی
تھام کر ننھے سے ہاتھوں کو یہ کہتے ہیں حسینؑ

جزُ یتیمی نہیں ہوگا کوئی تیرا بی بی
ہوگا رسی کا گلے میں ترے گھیرا بی بی
تجھ کو کھا جائے گا زنداں کا اندھیرا بی بی
ہوگا زندان میں بابا کا نہ پھیرا بی بی
کر کے غربت کے حوالے تجھے جاتے ہیں حسینؑ

میری آنکھوں میں وہی عصر کا منظر ہے نویدؔ
خاک ہے بالی سکینہؑ ہے کھُلا سر ہے نویدؔ
وہی ماتم ہے ، وہی سر ہے ، وہی در ہے نویدؔ
بابا بابا کا وہی نوحہ لبوں پر ہے نویدؔ
نہ ہی نیند آتی ہے اُس کو نہ ہی آتے ہیں حسینؑ

نوحہ

پیاسا ہے میرا حسینؑ پیاسا ہے میرا حسینؑ
دریا ہے میرا حسین دریا ہے میرا حسینؑ

سروش وملک میں نہ جن و بشر میں نہیں کوئی ایسا نہیں
میں دیکھ آیا عرش وز میں کی حدیں سب کہیں کوئی ایسا نہیں
جیسا ہے میرا حسینؑ جیسا ہے میرا حسینؑ

ہے زخموں سے اُس کا بدن چور لیکن لبوں پر ہے شکرِ خدا
ہے سینے میں پیوست خنجر ولیکن لبوں پر ہے اُس کے دعا
کیسا ہے میرا حسینؑ کیسا ہے میرا حسینؑ

دستِ دعا بن کے رہتا ہے ہر دم میرا دستِ ماتم دراز
یہ فرشِ عزا ہے مُصلیٰ جو میرا تو ماتم ہے میری نماز
سجدہ ہے میرا حسینؑ سجدہ ہے میرا حسینؑ

ہے رکھتا خدا کے وہ اوصاف سارے اگرچہ کہ بندہ ہے وہ
کہ قبلے کا قبلہ کہ کعبے کا کعبہ کہ سجدے کا سجدہ ہے وہ
مولا ہے میرا حسینؑ مولا ہے میرا حسینؑ

درندوں کے نرغے سے جاں دیکے جس نے چھڑائی ہے انسانیت
لہو سے بچائی ہے توحید جس نے بچائی ہے وحدانیت
ایسا ہے میرا حسینؑ ایسا ہے میرا حسینؑ

ہدایت ہے جس سے شریعت ہے جس سے طریقت ہے جس سے نویدؔ
ولایت ہے جس سے رسالت ہے جس سے امامت ہے جس سے نویدؔ
تنہا ہے میرا حسین تنہا ہے میرا حسین

نوحہ

اے ذوالجناحِ حسینؑ اے ذوالجناحِ حسینؑ
برستے تیروں میں اک تو ہی تھا پناہِ حسینؑ
سلام تجھ پہ ہو زینبؑ کا ذوالجناحِ حسینؑ

وہ سر وہ سجدہ وہ مقتل وہ عصرِ عاشورہ
بتا لہو بھری آنکھوں میں ہائے کیا کچھ تھا
کہ تو نے دیکھی ہے وقتِ نزع نگاہِ حسینؑ

زماں تو کیا کہ مکاں تک لرز گیا ہوگا
ترا وجود بھی جاں تک لرز گیا ہوگا
کہ آخری جو سنی ہوگی تو نے آہِ حسینؑ

وہ جس پناہ میں داخل ہیں جن و انس و ملک
وہ جس سپاہ میں شامل ہیں جن و انس و ملک
ترا وجود بھی ہے شاملِ سپاہِ حسینؑ

ابھی قریب نگہ کے ابھی نگاہ سے دور
گزر رہا ہے اُٹھائے ہوئے سواریٔ نُور
ترا وجود ہے یا طُورِ جلوہ گاہِ حسینؑ

ترے مقام کو سمجھا نہیں زمانہ ابھی
ترے مقام کو پہنچا نہیں زمانہ ابھی
کہ ہے مقام ترا آخری گواہِ حسینؑ

ردائے حضرتِ زینبؑ کی آس اک عباسؑ
نگاہِ شہہؑ کا اشارہ شناس اک عباسؑ
اور اُس کے بعد ہے تو واقفِ نگاہِ حسینؑ

یہ بے چراغ بیاباں ہے اِس اندھیرے میں
یہ عہدِ شام غریباں ہے اِس اندھیرے میں
ترے سموں کے نشاں سے ملی ہے راہِ حسینؑ

زمانے بھر کا نشانہ ہے اور میں تنہا
یہ وقتِ عصرِ زمانہ ہے اور میں تنہا
مجھے پناہ میں لے اے پناہ گاہِ حسینؑ

ترے نشانِ قدم پر سر اپنا رکھ کے نویدؔ
ترے ہی پائے کرم پر سر اپنا رکھ کے نویدؔ
اِسی سجود میں ہوجائے گردِ راہِ حسینؑ

راہوارِ حسینؑ

ملتا نہیں قرار کہیں راہوار کو
وہ ڈھونڈتا ہے آج بھی اپنے سوار کو

اپنے سوار کی طرح تُو بھی غریب ہے
شہہ رگ سے تُو حسینؑ کی اِتنا قریب ہے
محسوس تُو بھی کرتا ہے خنجر کی دھار کو

وہ نزع میں بھی ساتھ ہے دمساز کی طرح
اُس کا وجود آج بھی ہے راز کی طرح
سمجھو گے کیا حسینؑ کے اِس راز دار کو

خالی جو تُو ہے آج بھی اے پُشتِ راہوار
ہے منتظر کے آئے گا تجھ پر تِرا سوار
مہدیؑ سے کوئی پوچھے تِرے انتظار کو

کرتا ہوں تیرے حسن سے اندازۂ سوار
اُس کا جلال ہے تری ہیبت سے آشکار
دیکھوں تُجھے تو سوچوں میں تیرے سوار کو

آتا ہے خیمہ گاہ سے مقتل کو ذوالجناح
مقتل سے پھر پلٹتا ہے وہ سُوئے خیمہ گاہ
کیا دے رہا ہے گردشیں لیل و نہار کو

کلغی سے تیری ڈھالا ہے قدرت نے آفتاب
نکلا ہے نال سے تری واللہ ماہتاب
تارہ کیا سُموں کے ترے ہر شرار کو

اے ذوالجناح کُن پہ تجھے اختیار ہے
تو مالکِ مشیّتِ پروردگار ہے
پایا تری شبیہہ میں ہر اختیار کو

نازل ہوا ہے جب سے زمیں پر ہے سوگوار
غیبت ہو یا حضور ہو ہے ایک حالِ زار
دیکھا ہے اشک بار ہی اِس اشکبار کو

ہے منتظر نگاہ میں لے لے نویدؔ کو
ہے بے اماں پناہ میں لے لے نویدؔ کو
پھیلادے اِس غریب تک اپنے حصار کو

نوحہ

ازل سے میں نے خدا کو خدا بنا دیکھا
سرِ حسینؑ کو تن سے مگر جدا دیکھا

خود اپنے ہاتھ سے تطہیر کی عطا تو نے
خود اپنی آنکھ سے زینبؑ کو بے ردا دیکھا

یہ کس کا خیمہ تھا لَو دے رہا تھا ہر چہرہ
کہ جب چراغ کو میں نے بجھا ہُوا دیکھا

ازل ابد نظر آئے لہو میں ڈوبے ہوئے
جو دَر سے خیمے کے مقتل کا فاصلہ دیکھا

کروں گا اُس کی مدد جو طلب کرے مجھ سے
حسینؑ کو یہی دیتے ہوئے صدا دیکھا

ازل سے میں نے یہ دنیا بسی ہوئی دیکھی
مگر گھر آلِ نبیؐ کا لٹا ہوا دیکھا

خدا نے بس اُسے دیکھا لہو میں ڈوبے ہوئے
لہو میں ڈوب کے کیا جانے اُس نے کیا دیکھا

جن آنکھوں میں تُو خدا دیکھتا تھا ہائے نویدؔ
لہو ہوئیں تو اُن آنکھوں میں تو نے کیا دیکھا

نوحہ

کس کو دیتا ہے صدا اے کربلا تیرا دیا
بعدِ حُر کس کے لیے ہے تیرا دروازہ کھُلا

دیکھنا یہ ہے کہ کیا آتا ہے سجدے کا جواب
اے حسینؑ ابن علیؑ تو نے تو سجدہ کر دیا

ایک ظاہر ہے خدا کا اک خدا کا ہے حجاب
سر حسینؑ ابن علیؑ کا اور زینبؑ کی ردا

اک خدا کی ہے خدائی ایک شہؑ کی کائنات
کس کا جانے کیا بچا اور کس کا جانے کیا لُٹا

ایک تھی جنسِ خدا اور ایک تھا گاھک حسینؑ
کس نے جانے کیا خریدا کس کا جانے کیا بکا

اک حسینؑ اور ایک زینبؑ ایک بھائی اک بہن
ایک چہرہ بن گیا اور بن گیا اک آئنہ

فاطمہؑ کی رات دن تسبیح کی میں نے نویدؔ
تب کہیں حق سے ملی ہے مجھ کو توفیقِ ثنا

نوحہ

قرآں کا گلا کاٹا قرآں کے حافظوں نے
توحید کو بچایا قرآں کے ناطقوں نے

شبیر کے گلے پر خنجر چلا دیا ہے
یا ڈھا دیا ہے کعبہ حج کر کے حاجیوں نے

جس وقت شہہ کی گردن پر چل رہا تھا خنجر
اُٹھ کر زمیں کو گھیرا اُس وقت آندھیوں نے

ہر زخم کے لبوں پر لبیک کی صدا تھی
کیا زاویہ دکھایا زخموں کے زاویوں نے

میداں میں سب بہتّر اپنی جگہ احد تھے
توحید منعکس کی ہر رخ سے آئینوں نے

مانگوں نویدؔ اُن سے پھر کس لیے میں جنت
نوحہ عطا کیا ہے جب مجھ کو مالکوں نے

نوحہ

یا حسین اللہ اکبرؑ یا حسینؑ اللہ اکبرؑ
آ گئی زینبؑ وطن میں لُٹ گیا زینبؑ کا گھر

ہے دُھلا جس خون میں جس میں چھپا ہے لاالہٰ
ہے وہ خوں شبیرؑ کا اور ہے وہ زینبؑ کی ردا
دیکھ دل شبیرؑ کا اور دیکھ زینبؑ کا جگر

کیا کہوں کس سے ملا ہے لا الہٰ کو یہ دوام
ہے بنائے لاالہٰ کیا اک سفر اور اک قیام
کربلا شہہؑ کا قیام اور شام زینبؑ کا سفر

اک لہو ہے اک ردا ہے ایک لا ہے اک الہٰ
ایک لَو ہے اک دیا ہے اک گلو ہے اک صدا
اک بہن ہے ایک بھائی اک موئثر اک اثر

روکتی ہے اشک آنکھوں میں مگر رکتے نہیں
وہ اٹھاتی ہے قدم لیکن قدم اُٹھتے نہیں
کیا وہ صغراؑ کے لیے لے جائے گی گردِ سفر

ساتھ اپنے گو وہ اصغرؑ کو نہ لیکر آسکی
ساتھ اپنے گو وہ اکبرؑ کو نہ لیکر آسکی
آ گئی ہے لیکے خود ہی گھر کے لُٹنے کی خبر

جن کو رو پائی نہ زینب ہائے بعدِ کربلا
ان کو روئے مصطفی اور ان کو روئیں سیدہؑ
کہہ کہ رویا ہے خدا خود ہائے زینبؑ کے پسر

کیا کہوں عاشور کی شب جس جگہ تھی محوِ خواب
جاں نثارانِ حسینؑ ابن علیؑ کا اضطراب
کس طرح سے رات گزری کس طرح پھوٹی سحر

صبح کا سورج نکلنے حُر کے آنے تک نویدؔ
نیزۂ خولی پہ اک سر جگمگانے تک نویدؔ
اور کتنا کربلا کو میں کروں گا مختصر

نوحہ

سوکھے ہوئے گلے پر شمشیر چل رہی ہے اور شام ڈھل رہی ہے
عصمت کھڑی سرہانے خوں رخ پہ مَل رہی ہے اور شام ڈھل رہی ہے

تپتی ہوئی زمیں پر جو خون بہہ رہا ہے بہہ بہہ کے کہہ رہا ہے
شہہ کے گلے سے زینبؑ کی جاں نکل رہی ہے اور شام ڈھل رہی ہے

اب جل رہا ہے جھولا شعلوں کی زد پہ آ کر کہہ کہہ کے ہائے اصغرؑ
جھولے کے ساتھ شعلوں میں ماں بھی جل رہی ہے اور شام ڈھل رہی ہے

ہر بی بی خاک اُڑا کر نیزوں کی زد پہ آ کر کہہ کہہ کے ہائے چادر
چکرا کے گر رہی ہے گر کر سنبھل رہی ہے اور شام ڈھل رہی ہے

دن بھر کے سب ستائے غش میں پڑے ہیں سائے کوئی اِدھر نہ آئے
ہاتھوں میں لے کے نیزہ زینبؑ ٹہل رہی ہے اور شام ڈھل رہی ہے

نیزے پہ ایک سر ہے زینبؑ کو یہ خبر ہے اب شام کا سفر ہے
کاندھے سے اپنے شہہؑ کا کاندھا بدل رہی ہے اور شام ڈھل رہی ہے

ہے ڈھونڈتی حزینہ بابا کا اپنے سینہ مقتل میں ہے سکینہؑ
اور شام ڈھل رہی ہے اور شام ڈھل رہی ہے اور شام ڈھل رہی ہے

مقتل میں جا کے اصغر کی تشنگی بجھانے پانی اُسے پلانے
جانے کو اب سکینہ ہائے مچل رہی ہے اور شام ڈھل رہی ہے

ہر سمت ہیں بگولے ہر سمت آندھیاں ہیں شعلوں میں بیبیاں ہیں
اس دم نویدؔ سینے سے جاں نکل رہی ہے اور شام ڈھل رہی ہے

نوحہ

خیمے میں جو آئے شہہِ دیں ہونے کو رخصت
زینبؑ سے نہ دیکھی گئی بھائی کی یہ غربت
کہنے لگے شہہؑ ہے یہ بہن وقتِ قیامت
اب وقت بہت کم ہے سنو میری وصیت
کی تم نے ہمیشہ مری ماں بن کے حفاظت
اب سونپتا ہوں تم کو میں عابدؑ کی امانت
یہ ہے تو یہ سمجھو کہ ہیں توحید و رسالت
یہ فخرِ ولایت ہے یہ ہے فخرِ امامت
ہے جلوہ گر اِس ذات میں ہی جلوۂ عصمت
پوشیدہ اِسی ذات میں ہیں کثرت و وحدت
سب تیرے حوالے ہے سب تجھ کو بچانا ہے
رب تیرے حوالے ہے رب تجھ کو بچانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

عابد کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے
گھر تجھ کو لٹانا ہے سر مجھ کو کٹانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

مرے بعد کوئی گردش محور پہ نہیں ہوگی
افلاک دھواں ہوں گے شعلہ یہ زمیں ہوگی
گر فرش بچانا ہے گر عرش بچانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

مشکل ہے سفر اِس کا آساں ہے مری منزل
خود اِس کی مسافت پر حیراں ہے مری منزل
اِسے خاک اڑانا ہے مجھے خوں میں نہانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

کس ہاتھ سے یہ خنجر کس ہاتھ میں آیا ہے
کس کس نے پس خنجر مرا خون بہایا ہے
اِس رازِ شہادت سے اِسے پردہ اٹھانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

یہ میرا جگر گوشہ ہر راز کا مالک ہے
اِس حلق برِیدہ کی آواز کا مالک ہے
پُر شور اذانوں میں اسے خطبہ سنانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

ہابیل سے تا برّح جو خوں میں ہیں غلطیدہ
ہر خون جو ناحق ہے مرے خوں میں ہے پوشیدہ
ہر خوں کی گواہی کو اِسے حشر میں آنا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

میں سب کی وراثت ہوں یہ میری وراثت ہے
یہ میری فصاحت ہے یہ میری بلاغت ہے
اِسے میری خموشی کو آواز بنانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

اُٹھتے ہوئے شعلے ہیں پھر شامِ غریباں ہے
پھر شام کی راہیں ہیں پھر شام کا زنداں ہے
بازار بھی آنا ہے دربار بھی آنا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

اُس چاند کی بادل سے آواز نویدؔ آئی
زینبؑ کو یہ مقتل سے آواز نویدؔ آئی
نمرود کے شعلوں کو گلزار بنانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑکو بچانا ہے

نوحہ

زہراؑ و علیؑ کے پیاروں کو صحرا نے چاند ستاروں کو
مٹی کا کفن پہنایا ہے
تیروں نے لاش اُٹھائی ہے نیزوں نے قبر بنائی ہے
تلواروں نے دفنایا ہے

نیزوں پر نیزے چلتے ہیں
صحرا میں خیمے جلتے ہیں
اور شام کے سائے ڈھلتے ہیں
خیموں میں ماتم برپا ہے
زینب پہ غشی کا سایہ ہے
اک سر نیزے پر آیا ہے

عاشور کا سورج ڈھلتا ہے
صحرا کا سایہ جلتا ہے
سناٹا آنکھیں ملتا ہے
زینب کی ردا ہے نیزے پر
اک بار ابھی غش سے اُٹھ کر
عابدؑ کو پھر غش آیا ہے

خنجر سے دن کا قتل ہوا
یا کاٹا گیا سرورؑ کا گلا
اے میرے خدا اے میرے خدا
شبیر کا سر ہے نیزے پر
یا پھر شبیرؑ کا سر بن کر
سورج نیزے پر آیا ہے

ہر سمت اندھیرے چھائے ہیں
مقتل میں پڑے کچھ سائے ہیں
اور رات نے پر پھیلائے ہیں
یہ چاند ستارے زخمی ہیں
زینب کے دُلارے زخمی ہیں
یا کُل عالم زخمایا ہے

ویرانی ہے سناٹا ہے
مقتل میں رات کا پہرہ ہے
خاموش ہر ایک ستارہ ہے
یا زینبؑ ہے یا صحرا ہے
ٹوٹا ہوا بس اک نیزہ ہے
خیموں کے گِرد طلایہ ہے

جس دھوپ میں سرورؑ ہیں تنہا
برپا ہے جس میں کرب و بلا
کہتی ہے یہ ھل من کی صدا
اِس دھوپ میں سر پر داور کے
اِس دھوپ میں سر پر سرور کے
زینبؑ کی ردا کا سایہ ہے

کس نے یہ مانا کون ہے وہ
کس نے پہچانا کون ہے وہ
بس حُر نے جانا کون ہے وہ
گھر بار لٹا کر غربت میں
جس نے اک حُر کی حسرت میں
خنجر کو گلے سے لگایا ہے

تا عرش نویدؔ ہے میرا رَم
چلتا ہے نویدؔ جو میرا دم
بے وجہ ہے مجھ پر اُن کا کرم
کیا کاسہ لیا کیا لفظ لکھے
کیا فقر کیا کیا شعر کہے
بس میں نے سبق دھرایا ہے

نوحہ

سر جُدا کس کا ہوا اور خدا کون ہوا
بے رِدا کون ہُوا لا سے الہٰ کون ہوا

کس کی شہہ رگ سے بہا بن کے لہو تیرا وجود
اے خدا یہ تو بتا تیرا پتا کون ہوا

لا کو سر دے کے بتا کس نے الااللہ کیا
اے الااللہ کے کلمے ترا ''لا'' کون ہوا

شہہ کے خیمے میں بجھا حُر کے جو خیمے میں جلا
شبِ عاشور بتا تیرا دیا کون ہوا

گونجتی ہے بھرے دربار میں یہ کس کی صدا
کٹ گئے ہیں جو گلے اُن کی صدا کون ہوا

نظر آتی ہے بتا کس کی ردا نیزے پر
بول اسلام ترے سر کی ردا کون ہوا

میں نے مانا ترے بدلے کا خدا ہے وارث
خونِ شبیرؑ بتا تیری جزا کون ہوا

سرکٹایا ہے خدا کی جگہ کس نے یہ نویدؔ
لا الہٰ کچھ تو بتا تیری بنا کون ہوا

نوحہ

امت نے رسالتؐ کا پیغام بدل ڈالا
خود کو تو نہیں بدلا اسلام بدل ڈالا

بدلا ہے شریعت کو بدلا ہے طریقت کو
آغاز بدل ڈالا انجام بدل ڈالا

مفہوم رسالتؐ کا مفہوم ولایتؑ کا
کچھ صبح بدل ڈالا کچھ شام بدل ڈالا

جھٹلائی دلیل اُس کی توحید بدل ڈالی
ہر خاص بدل ڈالا ہر عام بدل ڈالا

ہر دل کیا بُت خانہ ہر دل کیا ویرانہ
منزل ہی نہیں بدلی ہر گام بدل ڈالا

اسلام تو قیدی تھا اسلام تو قیدی ہے
ہر دَور کے ظالم نے بس دام بدل ڈالا

لعنت ہو نویدؔ اُن پر اللہ کی لعنت ہو
جن لوگوں نے نعمت کا افہام بدل ڈالا

نوحہ

ہر جگہ ہر شہر میں شہہؑ کی عزاداری کریں
سیدہؑ کے لاڈلے پر گریہ و زاری کریں

ہم سیہہ ملبوس نکلیں کوچہ و بازار میں
وا حسینا کی صدا دیں کوچہ و بازار میں
سنتِ زینبؑ ادا کرنے کی تیاری کریں

مقصدِ شبیرؑ کیا ہے مقصد اسلام کیا
دے رہی ہے سب کو ہل من کی صدا پیغام کیا
کربلا ہے کس لیے، پیدا یہ بیداری کریں

وہ صدا نوحے کی ہو مل جائیں غیبت اور حضور
یوں اٹھے پردہ کہ مٹ جائیں سبھی نزدیک و دور
گریہ و ماتم کی ایسی کیفیت طاری کریں

جس نے اپنے خون سے دل پر لکھا ہے لا الہٰ
جس نے اپنے خون سے زندہ کیا ہے لا الہٰ
اُس کے غم میں کیوں نہ سینے سے لہو جاری کریں

ہم جو روئیں ساتھ میں روئیں زمین و آسماں
ہم جو روئیں ساتھ اپنے روئے یہ سارا جہاں
اس طرح ماتم کریں اک سوگ سا طاری کریں

حلقۂ ماتم میں سارے انبیاؑ بھی ساتھ ہوں
اولیاؑ بھی ساتھ ہوں اور اوصیا بھی ساتھ ہوں
سیدِ سجادؑ اِس حلقے کی سالاری کریں

جس کو تنہا جان کر سب نے ستایا اے نویدؔ
کاٹ کر سر جس کا نیزے پر اٹھایا اے نویدؔ
یہ تقاضا ہے حیاء کا اُس کی غمخواری کریں

نوحہ

ردا لُٹ چکی ہے گلا کٹ چکا ہے کوئی سر سناں پر کوئی بے ردا ہے
پناہِ خدا تھا جو گھر کربلا میں وہ گھر لُٹ چکا ہے وہ در جل چکا ہے

شریعت کے ماروں سے کوئی تو پوچھے طریقت کے ماروں سے کوئی تو پوچھے
شریعت ہے جس کی طریقت ہے جس کی اُسے قتل کر کے کہو کیا بچا ہے

شریعت ہے ماتم طریقت ہے نوحہ شریعت ہے پرسہ طریقت ہے گریہ
نہیں اور کچھ بھی شریعت طریقت امامِ زماں کی یہ ہر دم صدا ہے

خداوندِ حرص و ہَوا و ہوس سے بچی تھی جو اُس لُوٹ کی دسترس سے
فقط ایک زینب کا نوحہ بچا ہے فقط ایک زینبؑ کا ماتم بچا ہے

جُدا ہو کے حق سے یہ کیا ڈھونڈتے ہو خودی ڈھونڈتے ہو خدا ڈھونڈتے ہو
تمہیں کچھ خبر ہے تمہیں کچھ پتا ہے خودی ہے سناں پر خدا بے ردا ہے

وہی جس کا نوحہ خدا پڑھ رہا ہے وہی جس کا ماتم خدا کر رہا ہے
وہی دیں پنہ ہے وہی بادشاہ ہے وہی کبریا ہے وہی لا الہٰ ہے

جہاں نوح و آدم پہ گریہ ہو طاری جہاں چشمِ مہدی سے ہو خون جاری
ہے فکرِ جہاں صیدِ سودو زیاں کو یہاں دو جہاں کا گلا کٹ چکا ہے

نویدؔ آیئے کہیے کیا چاہیے ہے خودی چاہیے ہے خدا چاہیے ہے
ہیں آدمؑ یہیں پر ہیں خاتمؐ یہیں پر یہاں شاہِ والا کا ماتم بپا ہے

نوحہ

اے کلمہ گو بتا تیری غیرت کو کیا ہوا
خوفِ خدا کو پاسِ نبوت کو کیا ہوا

فرزندِ مصطفی ہے تہہِ تیغ یا حسینؑ
کیوں ٹوٹتی نہیں ہے قیامت کو کیا ہوا

سر کاٹ کر حسینؑ کا شکرِ خدا کیا
سجدے کو تیرے تیری عبادت کو کیا ہوا

زینبؑ کی تھی ردا کہ تھی کملی رسولؐ کی
تُونے وہ لُوٹ لی تری غیرت کو کیا ہوا

بغضِ علیؑ میں پڑ گئے کیوں تفرقے ہزار
بعدِ رسول وحدتِ امت کو کیا ہوا

کہتا ہے یہ نویدؔ کہ فوجِ یزید پر
ٹوٹی نہ بن کے قہر تو لعنت کو کیا ہوا

نوحہ

حسینؑ تُو نے جو خوں سے دیا جلایا ہے
صدا لگائی ہے ’’لا کی ’’الہٰ‘‘ بچایا ہے

اگر ہے حق پہ تو بس پڑھ حسین کا کلمہ
حسینؑ ہی نے تو یہ لا الہٰ بچایا ہے

کیا ہے تیغ تلے جس نے شکر کا سجدہ
جبیں نے جس کی خدا کو خدا بنایا ہے

بتاؤ کون ہے وہ زیرِ تیغِ ذبحِ عظیم
کہو خدا کی جگہ کس نے سر کٹایا ہے

حسینؑ وہ ہے جو تیغِ سوالِ بیعت کو
گلے سے مقتل ذلت میں گھیر لایا ہے

نویدِ حییٰ علیٰ ہے صدائے خیر العمل
چلو کہ سیدِ سجادؑ نے بُلایا ہے

نوحہ

حسینؑ تُو نے خدا کو خدا بنا دیا ہے
لہو سے اپنے فنا کو بقا بنا دیا ہے

زمانہ کوئی بھی ہو تیرے خونِ تازہ نے
مہک سے کرب و بلا کو نیا بنا دیا ہے

بجھا کے خیمے میں بس اِک دیا شبِ عاشور
ہر ایک چہرے کو شہؑ نے دیا بنا دیا ہے

حسینؑ یہ تری زینب کا تجھ پہ ہے احسان
تری خموشی کو جس نے صدا بنا دیا ہے

وہ ایک حُر تھا کہ جس نے گزر کے خود پر سے
ہر ایک حُر کے لیے راستا بنا دیا ہے

تیری نگاہ کے صدقے کریمِ کرب و بلا
کہ تُو نے حُر کی سزا کو جزا بنا دیا ہے

کریم تیرا کرم ہے فقیر کی تعریف
نویدؔ کیا تھا اُسے کیا سے کیا بنا دیا ہے

نوحہ

یہ صدا مہدیؑ کی ہے حیَ علیٰ خیر العمل
ہاں بچھا فرشِ عزا اے کہنے والے العجل

العجل کہنا ہے تو پھر دے صدا تو یا حسینؑ
گریہ و ماتم ہی بس غیبت میں ہے میرا عمل

جو صدا ہل من کی ہے وہ میرے جد کی ہے صدا
چل پڑا ہے قافلہ آ قافلے کے ساتھ چل

یومِ عاشورہ ہے ہر دن سب زمیں ہے کربلا
آج ہے یہ کربلا اور شام کا بازار کل

لے نویدؔ اِس سر پہ لے اِن ماتمی قدموں کی خاک
تُو بھی پائے گا شفا اِس خاک کو چہرے پہ مل

نوحہ

یہی ہے عشق ہمارا کہ بَین کر رہے ہیں
یہی ہے کام کہ بس یا حسینؑ کر رہے ہیں

اُسے سمجھنے کو درکار ہے نیابتِ حُرؑ
جو بات ہم سے شہہِ مشرقین کر رہے ہیں

وہاں وہی ہیں وہی جانتے ہیں وہ ہیں کہاں
جہاں پہ سجدہ شہہِؑ قبلتین کر رہے ہیں

غمِ حسینؑ کی حسرت میں ہیں جو سرگرداں
وہی سکون میں ہیں بس وہ چین کر رہے ہیں

ادائے اجرِ رسالتؐ کے بعد اُن سے بھی مِل
نویدؔ ادا کہ جو اجرِ حسینؑ کر رہے ہیں

نوحہ

بنیادِ لاالہٰ ہے ماتم حسینؑ کا
تازہ لہو کی طرح سے ہے غم حسینؑ کا

قائم ہے جو ہمیشگی قائم ہے جو دوام
سینے میں کبریائی کے ہے دَمِ حسینؑ کا

پھٹ جائے ورنہ خالق کُن تیرے کُن کا زخم
رکھا نہ ہو جو زخم پہ مرہم حسینؑ کا

عابدؑ نے اپنے شانہ و دل پیش کر دیے
جب عرش و فرش سے نہ اُٹھا غم حسینؑ کا

درکار وسعتِ دلِ زینبؑ ہے اِس کو بس
عالم میں کیا سمائے گا عالم حسینؑ کا

پابند ہے بہار و خزاں کا یہ غم کہاں
موسم کوئی بھی ہو ہے وہ موسم حسینؑ کا

پنجہ ہے یہ علم کا کہ غازیؑ کا ہاتھ ہے
زینبؑ کی یہ ردا ہے کہ پرچم حسینؑ کا

آنکھوں سے خون بن کے ٹپکتا ہے یاحسینؑ
دھڑکن بھی دل کی کرتی ہے ماتم حسینؑ کا

سَر اپنا مارتی ہی رہی سَر پھری ہَوا
لیکن ہُوا چراغ نہ مدّہم حسینؑ کا

سیدھا ہوا اگرچہ اَحد کا الف نویدؔ
نکلا نہیں کمر سے مگر خم حسینؑ کا

نوحہ

خودی کو سَر ہے کٹانا حسینؑ چاہیے ہے
کہ ہے خدا کو بچانا حسینؑ چاہیے ہے

نگار خانہء توحید میں اندھیرا ہے
دیا ہے خوں سے جلانا حسینؑ چاہیے ہے

لہو سے خاک پہ لکھنا ہے نقشِ الااللہ
یہ معجزہ ہے دکھانا حسینؑ چاہیے ہے

کہ ختم کرنا ہے فصلِ الست و یوم الدین
ہے حُر کو حُر سے مِلا نا حسینؑ چاہیے ہے

پناہ ڈھونڈنے جائے خدا کا دین کہاں
نہیں ہے کوئی ٹھکانا حسینؑ چاہیے ہے

صدائے کُن یہ نہیں ہے کہ یونہی لگ جائے
صدائے حق ہے لگانا حسینؑ چاہیے ہے

ہے گھر بنانا نہیں اے خدائے ابراہیم
ہے گھر کو آگ لگانا حسینؑ چاہیے ہے

وہ جس کی زد پہ خدا ہے وہ جس کی زد پہ خودی
وہ تیر دل پہ ہے کھانا حسینؑ چاہیے ہے

خدا نے پوچھا جو کیا چاہیے ہے تجھ کو نویدؔ
یہی تھا ہونٹوں پہ آنا حسینؑ چاہیے ہے

نوحہ

بتا مجھے مرے حُرؑ، ہے کہاں حسینؑ کا در
کہاں ہے میرا پتا اور کہاں ہے میری خبر
بھٹکتا پھرتا ہوں میں عرش و فرش کے مابین
خراب و خستہ و واماندہ، مضطر و بے چین
ہُوں در بہ در مجھے سینے سے وہ لگائے گا
حُسینؑ ہی ہے جو مجھ سے مجھے ملائے گا
میں کربلا نہیں جاؤں تو پھر کہاں جاؤں
نہ خود کو ڈھونڈ کے لاؤں تو پھر کہاں جاؤں

جو کاٹ دی گئی جنّت مِری تہہِ خنجر
میں اُس کا غم نہ مناؤں تو پھر کہاں جاؤں

جہاں لگی علیؑ اکبر کے قلب میں برچھی
وہاں نہ خاک اُڑاؤں تو پھر کہاں جاؤں

میں ہوں مُسافرِ گم گشتہ ڈھونڈنے خود کو
جو نینوا نہیں جاؤں تو پھر کہاں جاؤں

مِرے لئے جو لہو میں نہائے اُن کے لئے
خود اپنا خوں نہ بہاؤں تو پھر کہاں جاؤں

رواں ہے وقت کے کاندھے پہ اک سیہ تابوت
نہ اپنا شانہ بڑھاؤں تو پھر کہاں جاؤں

میں یاد کر کے اندھیرے کو شامِ غربت کے
کوئی دِیا نہ جلاؤں تو پھر کہاں جاؤں

قسم ہے زانوئے شہہ کی سوائے کرب و بلا
کہیں بھی چین نہ پاؤں تو پھر کہاں جاؤں

فقیر ہوں ہے مِری خاک کی سرشت نویدؔ
اگر صدا نہ لگاؤں تو پھر کہاں جاؤں

سلام

سُنو بہ غَور کہ اہلِ خبر بتاتے ہیں
یہ جتنے راستے ہیں کربلا کو جاتے ہیں

کچھ اتنا سہل نہیں سجدۂ درِ شبیرؑ
جو سَر جھکاتے ہیں پہلے وہ سَر کٹاتے ہیں

اِدھر تو دیکھیے آ کر ہیں زیرِ تیغ حسینؑ
خدا کو ڈھونڈنے صاحب کدھر کو جاتے ہیں

خیالِ آئنہ داری خُدا کو ہے درپیش
جو خاک و خوں سے حسینؑ آئینہ بناتے ہیں

ہے کون طالبِ مرضیِ رب اِدھر آئے
یہ حلق ہائے بُریدہ صدا لگاتے ہیں

ہیں جن کی آنکھوں میں جنّت کے خواب اُن سے کہو
جو خود اُجڑتے ہیں بستی وہی بساتے ہیں

نوحہ

تسبیح رو رہی ہے سجدہ لہو لہو ہے
قبلہ لہو لہو ہے کعبہ لہو لہو ہے

رکھّا ہُوا ہے خنجر قُرآن کے گلے پر
آیت لہو لہو ہے سورہ لہو لہو ہے

جس پر زمیں ہے قائم عرشِ بریں ہے قائم
تیروں کے درمیاں وہ تنہا لہو لہو ہے

ہے عرش خوں میں ڈوبا ہے فرش خوں میں ڈوبا
کیا پُوچھتے ہو مجھ سے کیا کیا لہو لہو ہے

ہے دھوپ کی وہ شدّت پیاسوں کی ہے وہ حالت
کُوزے لہو لہو ہیں دریا لہو لہو ہے

لاشِ پسر اُٹھائیں یا شاہ خاک اڑائیں
برچھی گڑی ہے دل میں سینہ لہو لہو ہے

یہ شامِ کربلا ہے نیزے یہ اک ردا ہے
اور دُور تک یہ صحرا سارا لہو لہو ہے

سائے جھلس رہے ہیں پیکاں برس رہے ہیں
زینبؑ تری ردا کا سایہ لہو لہو ہے

اے شام کون آیا زنجیر کا ستایا
آنکھیں لہو لہو ہیں چہرہ لہو لہو ہے

مقتل سے تا بہ سدرا غازیؑ کا خوں ہے بکھرا
مشکِ سکینہؑ خوں ہے تسمہ لہو لہو ہے

چھنتے ہیں گوشوارے بہتے ہیں خوں کے دھارے
دامن لہو لہو ہے کرتا لہو لہو ہے

ہے تازیانے کھاتی زینبؑ کو ہے بچاتی
اے شام سَر سے پا تک فضّہؑ لہو لہو ہے

کرلے نویدؔ ماتم ہے یاحسینؑ پیہم
ہر ماتمی کا غم سے سینہ لہو لہو ہے

نوحہ

جب مرکزِ وحدت سے ہٹادی گئی توحید
اور بغض کے پردے میں چُھپادی گئی توحید
ہم آلِ محمدؐ سے جدا کی گئی توحید
بس ایک تصوّر ہی بنا دی گئی توحید
گم ہوگیا انجام کہیں کھو گیا آغاز
تب دہر کے سنّاٹے میں گونجی مِری آواز
اللہ کو اللہ بنانے کو چلا ہوں
میں کرب و بلا خاک اُڑانے کو چلا ہوں

میں کرب و بلا خاک اُڑانے کو چلا ہوں
اللہ کو اللہ بنانے کو چلا ہوں

تم سوچ رہے ہوگے کہ کیوں نکلا ہوں گھر سے
میں حُرؑ کو فقط حُرؑ سے ملانے کو چلا ہوں

غم دینے چلا ہوں وہ جو ہر غم کی دوا ہے
دُکھ صفحۂ ہستی سے مِٹانے کو چلا ہوں

تم سوچو گلا کس کی جگہ میں نے کٹایا
بس میں تو گلا اپنا کٹانے کو چلا ہوں

یہ راز کھُلے گا تو مری پیاس کھُلے گی
پانی کو جو میں پیاس پلانے کو چلا ہوں

توحید کا وہ رنگ ہے بس میرے لہو میں
جس رنگ سے تصویر بنانے کو چلا ہوں

حُرؑ بھی ہے زمانہ بھی ہو توحید بھی کُن بھی
جس راز سے میں پردہ اُٹھانے کو چلا ہوں

پانی سے نہیں تیر سے جو پیاس بُجھے گی
وہ پیاس علی اصغرؑ کی بُجھانے کو چلا ہوں

ہٹ جا اے زمیں راہ میں اے آسماں مت آ
میں لاش علی اکبرؑ کی اُٹھانے کو چلا ہوں

سن کر جسے آئے گا نوید ایک زمانہ
آواز وہ حَل مِن کی لگانے کو چلا ہوں

نوحہ

ہم کو خاک اُڑانا ہے خون میں نہانا ہے یاحسینؑ کرنا ہے
اک دیا جلانا ہے تیرگی مٹانا ہے یاحسینؑ کرنا ہے

روز ایک سورج کو ڈوبنا اُبھرنا ہے وقت کو گُزرنا ہے
وقت کے گُزرنے کو راستا بنانا ہے یاحسینؑ کرنا ہے

گردشیں تو دینی ہیں سارے آسمانوں کو کُل کے کُل جہانوں کو
دائرہ بنانا ہے وقت کو چلانا ہے یاحسینؑ کرنا ہے

یعنی دین احمدؐ کو دم اُکھڑتے لمحوں میں شہہؑ نے کردیا زندہ
یعنی دین احمدؐ کی زندگی بڑھانا ہے یاحسینؑ کرنا ہے

دشت ہو کہ صحرا ہو کوچہ ہو کہ قریہ ہو کربلا ہو کعبہ ہو
اک علم اُٹھانا ہے اک صدا لگانا ہے یاحسینؑ کرنا ہے

شہر ہو کہ مقتل ہو گھر ہو یا کہ زنداں ہو بستی ہو بیاباں ہو
ماتمی ہیں ہم کو تو جس طرف بھی جانا ہے یاحسینؑ کرنا ہے

ہے نویدؔ کا منشا ہے نویدؔ کی حسرت ہے نویدؔ کا مقصد
اِس جہان کے اندر اک جہاں بنانا ہے یاحسینؑ کرنا ہے

نوحہ

پیوست ہے خنجر کی طرح دل میں وہ ہنگام، گزری نہیں وہ شام
جس شام جلائے گئے سادات کے خیّام، گزری نہیں وہ شام

سَر بن کے ردا بن کے سرِنوکِ سناں ہے، شعلہ ہے دھواں ہے
ہے جو تہہِ زنجیر تہہِ طوق تہہِ دام، گزری نہیں وہ شام

مقتل کا طواف اب بھی اُسی طرح ہے جاری، اک ضعف ہے طاری
کھولا ہی نہیں وقت نے اُس شام کا احرام، گزری نہیں وہ شام

جس شام کی غُربت نے دُکھایا دلِ سجادؑ، کھایا دلِ سجاد
زینبؑ نے جسے شامِ غریباں کا دیا نام، گزری نہیں وہ شام

یہ سارے ازل سارے ابد جس میں سمائے، اب کیا کہوں ہائے
جس میں سمٹ آیا ہے ہر آغاز ہر انجام، گزری نہیں وہ شام

اُٹھتیں ہیں وہی آندھیاں کٹ جاتا ہے سینہ، پھٹ جاتا ہے سینہ
ہر شام مجھے یاد دلاتی ہے وہی شام گزری نہیں وہ شام

جس راکھ میں دل میرا نویدؔ آہ دبا ہے، اور راکھ ہُوا ہے
اُس راکھ میں رہ رہ کے بھڑکتی ہے وہی شام، گزری نہیں وہ شام

نوحہ

وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے

وہ جس نے ”میں“ کو تو کیا، وہ جس نے ”تو“ کو ”میں“ کیا
خودی و بے خودی کا ہے جو اک سرا وہ کون ہے
وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے

زمین ہو کہ ہو فلک بشر ہو یا کہ ہو ملک
خدا کا عرش و فرش پر جو ہے پتا وہ کون ہے
وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے

وگرنہ میں ترا نہ تھا وگرنہ تو مِرا نہ تھا
جو ہے ترا وہ کون ہے جو ہے مرا وہ کون ہے
وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے

ہو بود بھی نبود بھی شہود بھی وجود بھی
جو ہے خدا کی ہر صفت کا آئینہ وہ کون ہے
وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے

اک عصرِ ناتمام کو ہر ایک تشنہ کام کو
وہ جس نے جامِ سرمدی پلا دیا وہ کون ہے
وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے

ہر اک سحر تھی بے اماں ہر ایک شام تھی دھُواں
اُجڑ کے جس نے دشت کو بسا دیا وہ کون ہے
وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے

ازل ابد ملا دیا ہے وقت کو مِٹا دیا
لہو سے جس نے ہر فنا کو دی بقا وہ کون ہے
وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے

صدائے حق لگا نویدؔ کسی سے مت چھُپا نویدؔ
وہ جس کی شکل میں تُجھے خدا ملا وہ کون ہے
وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے وہ حسینؑ ہے

نوحہ

خوں ہُوا تیرا نہ نکلی نیام سے تیری حسام اے کریمِ کربلا تجھ پر سلام
پیاس خنجر کی بُجھائی اور رہا خود تشنہ کام اے کریمِ کربلا تجھ پر سلام

ہائے وہ ہنگام اور وہ آندھیاں چلنے کا شور ہر طرف باطل ہواؤں کا وہ زور
اور اُن کے درمیاں تیرے چراغوں کا قیام اے کریمِ کربلا تجھ پر سلام

اُف تِری تشنہ لبی ہائے تِری دریا دلی اے سخی ابن سخی ابن سخی
تشنہ کامی کو عطا تُو نے کیا کوثر کا جام اے کریمِ کربلا تجھ پر سلام

تھام لیتا ہے وہ سینہ اشکِ افشانی کے ساتھ دل جھکا دیتا ہے پیشانی کے ساتھ
جب بھی آجاتا ہے ہونٹوں پر کسی کے تیرا نام اے کریمِ کربلا تجھ پر سلام

خون ہو ہابیل کا یا ہو وہ برّح کا لہو اُس میں شامل ہے فقط سُرخیِ تُو
قصّہء مظلومیت ہوتا تجھی پر ہے تمام اے کریمِ کربلا تجھ پر سلام

اے ازل اے لم یزل اے ذوالجلا ل اے لا یزال کون جانے تیری تنہائی کا حال
کس طرح تُو نے کیا ہے صبحِ عاشورہ کو شام اے کریمِ کربلا تجھ پر سلام

تیرے ہی غم کو سمجھتا ہے فقط مرہم نویدؔ شکر کے سجدے میں ہے ہر دم نویدؔ
ہے عطا جس کو کیا تُو نے کلامِ لا کلام اے کریمِ کربلا تجھ پر سلام

نوحہ

زمانے والو سنو وقت کی پکار سنو
یاحسینؑ کرو یاحسینؑ کرو
چلو حسینؑ بلاتے ہیں کربلا کو چلو
یاحسینؑ کرو یاحسینؑ کرو

بشر کو گھیرے ہوئے ہیں ہزار طرح کے غم
گھٹن بہت ہے یہاں گھُٹ رہا ہے سینے میں دم
رُکی ہوئی ہیں جو سانسیں اُنہیں بحال کرو
یاحسینؑ کرو یاحسینؑ کرو

سوائے ظلم و ستم کچھ نہ کر سکے ظالم
پلٹ کے اپنا گلا خود ہی کاٹ لے ظالم
ہر ایک ظلم و ستم کا جواب صبر سے دو
یاحسینؑ کرو یاحسینؑ کرو

چُنو تو اپنے لیے راہِ مستقیم چُنو!
کہ حق کے پیچھے ہو تم حق تمھارے پیچھے ہو
حسینؑ چاہتے ہیں جیسے اُس طرح سے جیو
یا حسینؑ کرو یا حسینؑ کرو

یہ سینہ کرب و بلا کی نمود بن جائے
کہ کربلا ہی تمھارا وجود بن جائے
کچھ اِس طرح سے شب و روز یا حسینؑ کرو
یا حسینؑ کرو یا حسینؑ کرو

جو چاہتے ہو کہ ہوں ایک باطن و ظاہر
یہ چاہتے ہو اگر تم کہ نفس ہو طاہر
یہی ہے تزکیہء نفس یا حسینؑ کرو
یا حسینؑ کرو یا حسینؑ کرو

زمیں کی راہگزر ہو کہ آسماں کا سفر
قیام تاروں پہ ہو یا ہو کہکشاں سے گزر
جدھر جدھر سے بھی گزرو حسینؑ حسینؑ کرو
یاحسینؑ کرو یاحسینؑ کرو

ہو شیرخوار تو پیکاں کے آگے خود کو رکھو
ہو نوجوان تو برچھی کو سینہ پیش کرو
اگر ہو ابن مظاہر کمر کو کس کے اُٹھو
یاحسینؑ کرو یاحسینؑ کرو

ہر ایک صبح و مسا جو خدا کے لب پر ہے
جو انبیا کے ہے جو اولیا کے لب پر ہے
جو کر رہا ہے ہر اک خشک و تر وہ تم بھی کرو
یاحسینؑ کرو یاحسینؑ کرو

اسی لیے تمھیں پیدا کیا گیا ہے نویدؔ
اسی لیے تمھیں زندہ کیا گیا ہے نویدؔ
کہ تم خدا سے جُڑو یعنی کربلا سے جُڑو
یا حسینؑ کرو یا حسینؑ کرو

سلام

اے حسینؑ ابن علیؑ تیری صدا زندہ ہے
کربلا زندۂ خودی زندۂ خدا زندہ ہے

لے گئی بادِ فنا گرچہ ہر اک نقشِ دوام
تابہ سدرہ ترِا نقشِ کفِ پا زندہ ہے

اپنے اصحاب سے بیعت کے اُٹھانے والے
تیرا انکار سلامت ترِا لا زندہ ہے

جس کو حسرت تھی بقا کی ہُوا خاک آخرِ کار
جس نے سر رکھا تہہِ تیغِ فنا زندہ ہے

بے خبر اپنا لہو نذر تو کر پیشِ حسینؑ
کیسے سمجھے گا کہ خونِ شہدا زندہ ہے

ہر زمانے میں بھٹکتے ہوئے ہر حُر کے لیے
اے حسینؑ ابن علیؑ تیرا پتا زندہ ہے

مَوت سے مرنا ہلاکت کے سِوا کچھ بھی نہیں
جو مرا مَوت سے پہلے وہ سدا زندہ ہے

صدقہ ہے شامِ غریباں کے اندھیرے کا نویدؔ
طاقِ توحید پہ رکھّا جو دیا زندہ ہے

حاجیو ماتم کرو، حاجیو ماتم کرو

حج کو عُمرے سے بدل کر جارہا ہے کربلا
لا الہٰ کا قافلہ
حاجیو ماتم کرو، حاجیو ماتم کرو

کعبے کا کعبہ ہے وہ اور قبلے کا قبلہ ہے وہ
سر کٹا نے جو چلا
حاجیو ماتم کرو، حاجیو ماتم کرو

حاجیوں اٹھو کہو لبیک یا شاہِ ہُدیٰ
سُن کے ہل من کی صدا
حاجیو ماتم کرو، حاجیو ماتم کرو

کھول دو احرامِ حج احرام کر لو کربلا
حج ہو زیرِ تیغ ادا
حاجیو ماتم کرو، حاجیو ماتم کرو

روزہ و حج و نماز اے حاجیوں کر لو اد
شاہ پر ہو کر فدا
حاجیو ماتم کرو، حاجیو ماتم کرو

حاجیو کر لو طوافِ تُربتِ شاہِ ہُدیٰ
دائرہ دَر دائرہ در دائرہ
حاجیو ماتم کرو، حاجیو ماتم کرو

یاد کر ذبح ِ عظیم اے شوقِ ذبحِ گوسفند
ہے ذبیحے کی صدا
حاجیو ماتم کرو، حاجیو ماتم کرو

پھینک دو اپنے عمامے کر لو چاک اپنی قبا
لاالہ ہے بے ردا
حاجیو ماتم کرو، حاجیو ماتم کرو

اوڑھ کر کعبہ حرم کے سوگ کی چادر نویدؔ
دے رہا ہے یہ صدا
حاجیو ماتم کرو، حاجیو ماتم کرو

نوحہ

وعیدِ وعدہ ہیں ہم قتل کرکے عید کرو
ہمیں شہید کرو پھر ہمیں شہید کرو

لہو ذکیّہ کا بّرح کا خونِ تازہ ہیں ہم
کہ حال و ماضی و فردا کا روز نامہ ہیں ہم
ہم اک زمانہ نہیں ہیں ہر اک زمانہ ہیں ہم
ہمارے قتل کا سامان کچھ مزید کرو
وعیدِ وعدہ ہیں ہم قتل کر کے عید کرو
ہمیں شہید کرو پھر ہمیں شہید کرو

ہمارے قتل کو صدیاں گزُر چکی ہیں مگر
نہ کم ہُوا کسی صورت بھی کربلا کا اثر
تم آزما چکے سب اپنے تیغ و تیر و تبر
ستم نیا کوئی ایجاد پھر شدید کرو
وعیدِ وعدہ ہیں ہم قتل کرکے عید کرو
ہمیں شہید کرو پھر ہمیں شہید کرو

پَلٹ کے آنے کو وہ اک حسینؑ کافی ہے
دیا جلانے کو وہ اک حسینؑ کافی ہے
ہر ایک زمانے کو وہ اک حسینؑ کافی ہے
بلا سے ایک زمانے کو تم یزید کرو
وعیدِ وعدہ ہیں ہم قتل کر کے عید کرو
ہمیں شہید کرو پھر ہمیں شہید کرو

یہ ایک لمحہ جو خود خون میں نہا گیا ہے
یہ ایک لمحہ ازل اور ابد پہ چھا گیا ہے
اِس ایک لمحے میں ہر کُن سمٹ کے آ گیا ہے
ہمارے واسطے اس لمحے کو سعید کرو
وعیدِ وعدہ ہیں ہم قتل کر کے عید کرو
ہمیں شہید کرو پھر ہمیں شہید کرو

لہو بہاؤ ہمارا نئے سلیقے سے
نئے زمانے میں یعنی نئے دقیقے سے
کہ ہم کو قتل کرو پھر نئے طریقے سے
جدید عہد میں ہم پر ستم جدید کرو
وعیدِ وعدہ ہیں ہم قتل کر کے عید کرو
ہمیں شہید کرو پھر ہمیں شہید کرو

کوئی نہ جان سکے کیا ہے احتشامِ شہید
ہے کیا قیامِ شہید اور کیا مقامِ شہید
شہید پر ہی کھلا ہے فقط دوامِ شہید
احد کرو ہمیں واحد کرو وحید کرو
وعیدِ وعدہ ہیں ہم قتل کر کے عید کرو
ہمیں شہید کرو پھر ہمیں شہید کرو

لہو لہو ہیں ہوائیں لہو لہو ہے فضا
نویدؔ آج بھی تازہ ہے خونِ کرب و بلا
ہر ایک حلقِ بُریدہ سے آ رہی ہے صدا
ہمیں شہید کرو پھر ہمیں شہید کرو
وعیدِ وعدہ ہیں ہم قتل کر کے عید کرو
ہمیں شہید کرو پھر ہمیں شہید کرو

نوحہ

اُجڑنے والو چلو کربلا بسی ہوئی ہے
وہ در کُھلا ہوا ہے شمع بھی جلی ہوئی ہے

تُو جس زمانے میں ہے انتظار میں تیرے
ٹھہر کے دیکھ ذرا کربلا رُکی ہوئی ہے

کُرید شامِ غریباں کی راکھ میں کیا ہے
بقا کی صبح اِسی راکھ میں دبی ہوئی ہے

چراغِ خیمۂ شہہؑ تیرے دل میں روشن ہے
یہ جان لے جو تری لَو سے لَو لگی ہوئی ہے

بتا یہ کس کی ردا ہے جو ہے فلک یارب
بتا یہ کس کے لہو سے زمیں گُندھی ہوئی ہے

ہزار آئے ہیں اِس کو اُجاڑنے والے
مگر یہ کرب و بلا ہے کہ جو بسی ہوئی ہے

وہ بات جس پہ شہہؑ دیں نے سر کٹایا ہے
خدا کی بات اُسی بات سے بنی ہوئی ہے

یہ راستا سا جو ہے کربلا ہے جاتا ہوا
یہ روشنی سی جو ہے کربلا نے کی ہوئی ہے

ہر ایک صبح میں شہہؑ کا ہے استغاثا نویدؔ
ہر ایک شام میں شہہؑ کی صدا بسی ہوئی ہے

نوحہ

جب کہیں خنجر چلے گا کربلا یاد آئے گی
جب حیا سوچوگے زینبؑ کی ردا یاد آئے گی

شامِ غربت جب نہیں ہوگا کوئی پُرسانِ حال
تم کو تنہائی میں ھَل مِن کی صدا یاد آئے گی

تم کو آئے گا نظر بس دُور تک اُڑتا غُبار
عصرِ عاشورہ کی وہ حسرت تو کیا یاد آئے گی

خون میں ڈُوبی نظر آئے گی دستارِ رسول
تیروں سے چھلنی رسالت کی قبا یاد آئے گی

جیتے جی تو کیا مِٹے گا دل سے داغِ کربلا
جب بھی دل دھڑکے گا ہم کو کربلا یاد آئے گی

خاک پر سوئے گی جب وہ باپ کے سینے سے دُور
اپنے بابا کی سکینہؑ کو دُعا یاد آئے گی

یاد آئے گا اندھیرا گھر میں صُغرؑا کے نویدؔ
یا چراغوں کو بُجھاتی اک ہَوا یاد آئے گی

نوحہ

ایک بھائی ہے اور ایک بہن بس یہی کربلا کا قصہ ہے
ایک کو کربلا بسانا ہے ایک کو کربلا بچانا ہے

ایک سر دے گا ایک سر کی ردا ہونگے دونوں ہی زینتِ نیزہ
سرخروئی کو سرکٹانا ہے بے ردائی کو شام جانا ہے

اک عجب سلسلہ ہے خیمے میں درمیاں اک دیا ہے خیمے میں
ایک کو وہ دیا بجھانا ہے ایک کو وہ دیا جلانا ہے

یعنی لا ہے قیام بھائی کا اور بہن کا سفر ہے الہ اللہ
ایک کو خون میں نہانا ہے ایک کو ہائے خاک اڑانا ہے

اک کے حصّے میں آئے تیروتبر اک کے حصّے میں راہ کے پتھر
ایک کو دائرہ بنانا ہے ایک کو دائرہ بڑھانا ہے

ایک ہے خواب ایک ہے تعبیر ایک بنیاد ایک ہے تعمیر
ایک کو یہ زمیں بچھانا ہے ایک کو آسماں اڑھانا ہے

بس یہیں ہے نویدؔ کا مرنا بس یہیں ہے نویدؔ کا جینا
جب سے کرب و بلا بسائی ہے کہیں آنا ہے اور نہ جانا ہے

نوحہ

مقتل میں ہے ھُو کا سناٹا اور شامِ غریباں روتی ہے
بس ہائے حُسینؑ کی ہے صدا اور شامِ غریباں روتی ہے

گھوڑوں کے سُموں سے روندی ہوئی اک لاش پڑی ہے مقتل میں
اور خاک اُڑاتا ہے صحرا اور شامِ غریباں روتی ہے

مقتل میں آندھیاں چلتی ہیں ۔ خیموں میں آگ بھڑکتی ہے
اور چھنتی ہے زینبؑ کی ردا اور شامِ غریباں روتی ہے

مقتل میں درمیاں لاشوں کے سہمی سی سکینہؑ روتی ہے
اور جلتا ہے اُس کا کرتا اور شامِ غریباں روتی ہے

اک خشک گلے پر شام ڈھلے مقتل میں خنجر چلتا ہے
اور خوں کا اُبلتا ہے دریا اور شامِ غریباں روتی ہے

جلتے ہوئے جھولے سے لپٹی اک ماں ہے جلتے خیمے میں
اور آگ میں جلتا ہے جھولا اور شامِ غریباں روتی ہے

صحرا کی تیز ہوائیں ہیں اکبرؑ اکبرؑ کی صدائیں ہیں
اور سکتے میں ہے اُمِ لیلیٰ اور شامِ غریباں ہوتی ہے

شبیرؑ کا سر ہے نیزے پر زینبؑ کی ردا ہے نیزے پر
اور غش میں پڑا ہے اک سایہ اور شامِ غریباں روتی ہے

گھبرائی ہوئی ہے شام نویدؔ دھندلائی ہوئی ہے شام نویدؔ
اور شام میں ہے زینبؑ تنہا اور شامِ غریباں روتی ہے

نوحہ

اے قتیلِ جفا اے شہِ کربلا تجھ کو کیسے کہوں الوداع
جبکہ ہر یوم ہے تیرا یومِ عزا تجھ کو کیسے کہوں الوداع

میری خاطر بچایا ہے تو نے یہ دیں
ورنہ رہ جاتی بے سجدہ میری جبیں
بندگی پر مِری تو نے احساں کیا تجھ کو کیسے کہوں الوداع

بس گئی ہے مِری روح میں کربلا
دل عزا خانہ ہے جاں ہے فرشِ عزا
دل سے دھڑکن کو کیسے کروں میں جدا تجھ کو کیسے کہوں الوداع

اس سفر کا ہر اک گام تاریک ہے
صبح بے نور ہے شام تاریک ہے
تو مِرے راستے کا ہے تنہا دیا تجھ کو کیسے کہوں الوداع

تو نے کھولے میرے دل پہ ہستی کے راز
تو نے بخشا مجھے زندگی کا جواز
مجھ پہ الہام کا در کیا تو نے وا تجھ کو کیسے کہوں الوداع

فرد کو تو نے دی عشق کی فردیت
تو نے سکھلائے آدابِ مظلومیت
تو نے دل سے کیے دور حرص و ہوا تجھ کو کیسے کہوں الوداع

حالتِ حال کی کوئی حالت نہ تھی
دوریِ رجس کی کوئی صورت نہ تھی
تیرے غم نے کیا نفس کا تذکیہ تجھ کو کیسے کہوں الوداع

تو نے جرأت کے پیدا کیے سلسلے
ورنہ انکار کا حوصلہ تھا کسے
تجھ سے جاری ہے انکار کا سلسلہ تجھ کو کیسے کہوں الوداع

زندگی کو بسر کیسے کرتا نویدؔ
موت سے پہلے ورنہ نہ مرتا نویدؔ
زندگی کا سِرا اُس کو تو نے دیا تجھ کو کیسے کہوں الوداع

یا حسنؑ

خاکِ پائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

نوحہ

تطہیر نے جس کو پالا ہے توحید نے ناز اُٹھائے ہیں
اُسے زہر دیا ہے اُمّت نے تابوت پہ تیر چلائے ہیں

جنھیں آیت دی جنھیں نعمت دی جنھیں رحمت دی جنھیں دولت دی
پھولوں کی جگہ تابوت پہ وہ پیکاں برسانے آئے ہیں

غُربت میں زہر پیا جس نے اُمّت کو رزق دیا جس نے
یہ کیا کہ جنازے پر اُس کے تیروں کے بادل چھائے ہیں

زہرا کے جگر کا ٹکڑا ہے پارہ ہے کساء کی چادر کا
ہاں یہ ہے وہی جسے کلمہ گو خوں میں نہلانے آئے ہیں

شانے پر لاش اُٹھانے کو آیا نہ کوئی دفنانے کو
بس تیر ہیں جو اُس کی خاطر اپنی باہیں پھیلائے ہیں

یارب ہے جنازہ تیروں میں یا تیر جنازے میں یارب
یہ کون غریب جنازہ ہے جس پر غربت کے سائے ہیں

لو بھول گئے سب صلحِ حسن آغاز ہوئی لو کرب و بلا
شبیرؑ کے قتل کا ہے ساماں یہ تیر بتانے آئے ہیں

گر پُوچھے کوئی تو کہہ دنیا، دنیا میں کیوں آئے ہو نویدؔ
ہم ماتم کرنے آئے ہیں ہم نوحہ سنانے آئے ہیں

ہائے سجادؑ

گو ہوگیا زمانہ شانے سے تابہ شانہ
تابوت چل رہا ہے کاندھے بدل رہے ہیں

خاکِ پائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

نوحہ

تصویرِ کربلا ہے عابدؑ کے آنسوؤں میں
تفسیرِ لاالہٰ ہے عابدؑ کے آنسوؤں میں

اے انتہائے حسرت حرف و عدد میں کب ہے
وہ علم جو چھپا ہے عابدؑ کے آنسوؤں میں

لے کچھ خبر کہیں خود اللہ تو نہیں ہے
یہ کون رو رہا ہے عابدؑ کے آنسوؤں میں

اے ضعف اہلِ دل پر کُھلتا ہے وقتِ گریہ
وہ راز جو چُھپا ہے عابدؑ کے آنسوؤں میں

ہے اِس کی روشنی سے نورِ الہٰ روشن
روشن جو اِک دیا ہے عابدؑ کے آنسوؤں میں

ہر صبح ایک سورج نیزے پہ ہے بُریدہ
ہر شام بے ردا ہے عابدؑ کے آنسوؤں میں

جس وقت آگ لے کر خیموں میں شام آئی
وہ وقت تھم گیا ہے عابدؑ کے آنسوؤں میں

کھول اے نویدؔ آنکھیں رکھ طاق میں کتابیں
یہ دیکھ کیا لکھا ہے عابدؑ کے آنسوؤں میں

نوحہ

سجادؑ کی آنکھوں سے خدا دیکھ رہا ہے
لٹتے ہوئے زینبؑ کی ردا دیکھ رہا ہے

دیکھے گا اِنھی آنکھوں سے اِس گھر کا اُجڑنا
جن آنکھوں سے اِس گھر کو بسا دیکھ رہا ہے

کیا دیکھے وہ زنجیر کو کیا طوق کو دیکھے
رسی میں سکینہؑ کا گلا دیکھ رہا ہے

اک نیزے پہ سر دیکھ رہا ہے شہِؑ دیں کا
اک نیزے پہ زینبؑ کی ردا دیکھ رہا ہے

جس شانے کو توحید ہے تھامے ہوئے ہائے
اُس شانے کو رسی میں بندھا دیکھ رہا ہے

ہے کرب و بلا کتنی پرانی کہ زمانہ
ہر دور میں ہر رخ سے نیا دیکھ رہا ہے

سب شاہ کی نظروں میں خدا دیکھ رہے ہیں
گل ہوتے ہوئے کون دیا دیکھ رہا ہے

اِس فرش پہ آنے کے لیے عرش ہے بے چین
جھک جھک کے سرِ فرشِ عزا دیکھ رہا ہے

مرنے کو نویدؔ آہ تصور ہی بہت ہے
بازار میں کن آنکھوں سے کیا دیکھ رہا ہے

رمزِ لا الہٰ کیا ہے

بتا اے گریۂ عابدؑ کہ رمزِ لا الہٰ کیا ہے
سرِ شبیرؑ کیا ہے اور زینبؑ کی ردا کیا ہے

ردا لٹنے سے لے کر حرفِ الااللہ پچنے تک
علیؑ جانے لٹا کیا ہے خدا جانے بچا کیا ہے

جواب اِن کا حسینؑ ابن علیؑ میں مل گیا مجھ کو
ازل کیا ہے ابد کیا ہے خودی کیا ہے خدا کیا ہے

خدا کو کردیا جس کے کرم نے لائق سجدہ
ہے رب جس کا ہیں ہم اس کے ہمارا پوچھنا کیا ہے

کبھی کانوں میں تیرے گر نہ ھل من کی صدا آئی
تو پھر اے سننے والے یہ بتا تو نے سنا کیا ہے

جو گریہ بن گیا وہ غم ہے کیا اے گریۂ عابدؑ
جو دھڑکن بن گئی دل کی وہ ماتم کی صدا کیا ہے

علیؑ نے میرے کاسے میں فقیری ڈال دی جس دم
نویدؔ اُس دم مرے دل پر کھلا دستِ خدا کیا ہے

نوحہ

عابدؑ بیمار کو اُمت صلہ دیتی رہی
غش میں اُن کو تازیانوں کی دوا دیتی رہی

خاک کو صحرا کی زینبؑ کی طرف سے شکریہ
خاک اُڑ اُڑ کر کھلے سر کو ردا دیتی رہی

سر تھا نیزے پر علی اکبرؑ کا اور ناقے پہ ماں
ماں بڑی حسرت سے بیٹے کو صدا دیتی رہی

شمر یہ اسلام کی گردن ہے خنجر مت چلا
اور گلا کٹتا رہا زینبؑ صدا دیتی رہی

کاش اِس صورت سے ہی بچ جائے زینبؑ کی ردا
آگے آگے آ کے ہر بی بی ردا دیتی رہی

ایک ننھی اور ویراں سی لحد زندان میں
قافلہ جو لُٹ گیا اُس کا پتا دیتی رہی

کیا کہوں مَیں شام والے کس قدر تھے بدنصیب
وہ ستم کرتے رہے زینبؑ دعا دیتی رہی

قافلہ جاتا ہے ہل مِن کی صدا سُن کر نویدؔ
یہ صدا ہر دَور میں کرب و بلا دیتی رہی

نوحہ

ہائے سجادؑ جو زنجیر پہن کر آئے
پھول آنے تھے مگر بدلے میں پتھر آئے

صرف کُرتا علی اصغرؑ کا لیا زینبؑ نے
شامی لُوٹا ہوا اسباب جو لے کر آئے

دھول سے چہرے اَٹے تھے، تھی رسن ہاتھوں میں
سرِ بازار وہ قیدی جو کُھلے سر آئے

ایک ہنگام اٹھا شامِ غریباں کی طرح
شہہؑ کا سر لے کے جو زنداں سے ستمگر آئے

نوحہ کرتی ہے مدینے میں یہ صغراؑ تنہا
خط ہی آیا نہ خبر آئی نہ اکبرؑ آئے

آؤ بابا ذرا زینبؑ کا کرو استقبال
سر کھلے کس طرح دربار کے اندر آئے

تنگ رسی سے سکینہؑ کا گلا گُھٹتا ہے
فاصلہ ختم ہو کب جانیے، کب گھر آئے

دیکھتی رہ گئی زینبؑ بھی بندھے ہاتھوں سے
سُوئے سجادؑ لعیں لے کے جو لنگر آئے

کس سے یہ بار اُٹھا، کس نے اُٹھا یا ہے نویدؔ
بار شانوں پہ جو سجادؑ اُٹھا کر آئے

نوحہ

قید ہو کر جا رہا ہے قافلہ سجادؑ کا
تازیانے کھا رہا ہے قافلہ سجادؑ کا

جشن ہے کیسا یہ لوگو کیوں سجے ہیں راستے
شامیوں کے ہاتھ میں پتھر ہیں کس کے واسطے
کیا کھلے سر آرہا ہے قافلہ سجادؑ کا

رسیاں ہیں بیڑیاں ہیں طوق ہیں لنگر بھی ہیں
راہ میں کوڑے بھی ہیں کانٹے بھی ہیں پتھر بھی ہیں
پھر بھی چلتا جا رہا ہے قافلہ سجادؑ کا

انبیاء جاتے ہوئے دیکھے ہیں میں نے اُس طرف
اولیا جاتے ہوئے دیکھے ہیں میں نے اُس طرف
جس طرف سے آرہا ہے قافلہ سجادؑ کا

شرم سے زینبؑ کے پاؤں دھنس رہے ہیں کیا کرے
اور ستم یہ ہے کہ شامی ہنس رہے ہیں کیا کرے
خون روتا جا رہا ہے قافلہ سجادؑ کا

بہہ رہا ہے زینبؑ و کلثومؑ کے سر سے لہو
جم رہا ہے ایڑیوں پر بہہ کے لنگر سے لہو
ہائے پتھر کھا رہا ہے قافلہ سجادؑ کا

زور باطل میں جو تھا وہ گھٹ رہا ہے اے نویدؔ
ظلم کا بادل جو تھا وہ چھٹ رہا ہے اے نویدؔ
اور بڑھتا جا رہا ہے قافلہ سجادؑ کا

نوحہ

طوق کھولو کہ گھٹا جاتا ہے بیمار کا دم
کھولو زنجیر کہ زنجیر سے کٹتے ہیں قدم

طوق گردن میں پڑا پاؤں میں زنجیر پڑی
دیکھتی رہ گئی بس زینبؑ مظلوم کھڑی
دُکھ سے دہرا ہوا بیمار کمر کھا گئی خم

آئی بیمار مسافر پہ قیامت کی گھڑی
لو وہ نقارہ بجا آ گئی رخصت کی گھڑی
قافلہ لے کے چلا قافلہ سالارِ حرم

راہ اِس موڑ پہ لے آئی اُسے آہ کہاں
تازیانے کہاں پشتِ خلفِ شاہ کہاں
اُٹھنے سے پہلے نہ کیوں ٹوٹ گئے دستِ ستم

کیا قیامت ہے گرفتار کو غش آتا ہے
قافلہ روکو کہ بیمار کو غش آتا ہے
ہائے ناقے سے یہ زینبؑ کی صدا تھی پیہم

ابھی بیمار کے زخموں سے لہو جاری ہے
تازیانے نہ لگاؤ کہ غشی طاری ہے
ہاتھ روکو تمہیں زینبؑ کے کُھلے سر کی قسم

تازیانوں میں نہ وقفہ کوئی دم آتا ہے
اِک جو ہٹتا ہے تو اک تازہ دم آجاتا ہے
ایک بیمار پہ جاری ہے یہ لشکر کا ستم

ہاتھ رہ رہ کہ وہ بیمار نہ کیوں دل پر دھرے
زخمِ بے پردگی اہلِ حرم کیسے بھرے
ہائے اِس زخم کا کوئی بھی نہیں ہے مرہم

گھاؤ زنجیر کا مٹتا تھا نہ بھرتا تھا نوید
طوق پڑھتے ہوئے نوحہ جو گزرتا تھا نوید
ہائے زنجیر سے آتی تھی صدائے ماتم

نوحہ

کہو ہائے ہائے عابدؑ، کہو ہائے ہائے شام
آزاد سب ہیں قید ہے زنجیر میں امامؑ

ٹوٹی اگرچہ کس پہ قیامت نہ راہ میں
گزری اگرچہ کس پہ مصیبت نہ راہ میں
پر یہ وہ ہے کہ جس پہ مصیبت ہوئی تمام

عابدؑ کے دونوں ہاتھ ہیں زنجیر میں بندھے
حسرت سے جا رہے ہیں وہ لاشوں کو دیکھتے
لاشوں کو ہاتھ اُٹھا کے کریں کس طرح سلام

اے راہِ شام بول مسافر وہ کون تھا
تھا پتھروں کی زد پہ جو آخر وہ کون تھا
کھاتا تھا تازیانے نہ کرتا تھا وہ قیام

کب دستِ تازیانہ رکا دن گزر گیا
سورج سے خون رستا رہا دن گزر گیا
زخموں سے چور آئی سسکنے ہوائے شام

برسا کے اشک ابر نے سجدہ کیا اسے
صابر تو کیا ہے صبر نے سجدہ کیا اسے
معبود ہے یہ صبر کا عابدؑ ہے اِس کا نام

زنجیر زن کی آہ و بکا ہے یہی نویدؔ
ہر ماتمی کے لب پہ صدا ہے یہی نویدؔ
قیدی بنے ہیں اہلِ حرم شرم اہلِ شام

نوحہ

گزرا تھا بیبیوں کو لے کر کہاں کہاں سے پوچھو نہ سارباں سے
آئے کُھلے سروں پر پتھر کہاں کہاں سے
پوچھو نہ سارباں سے

یا سیلیاں لگی تھیں یا رسیاں بندھی تھیں
زینبؑ کے بازوؤں پر آئے نشاں کہاں سے
پوچھو نہ سارباں سے

باندھی گئی تھی بیڑی طوقِ گلو سے کیسے
آتی تھی سانس کیسے کھنچتی تھی جاں کہاں سے
پوچھو نہ سارباں سے

چلتی تھیں قید ہو کر جُھک جُھک کے بیبیاں کیوں
باندھی گئی سکینہؑ کے ریسماں کہاں سے
پوچھو نہ سارباں سے

لائی تھی جو وطن سے دامن میں پھول زینبؑ
بکھرے وہ پھول کیسے آئی خزاں کہاں سے
پوچھو نہ سارباں سے

بس دیکھ لو سروں پر یہ خاک رہ گزر کی
کس کا ہے اور چلا تھا یہ کارواں کہاں سے
پوچھو نہ سارباں سے

ہر لمحہ کربلا ہے ساری زمیں ہے مقتل
آغاز گر کرے تو وہ داستاں کہاں سے
پوچھو نہ سارباں سے

سب پر نویدؔ کی تھی جس بار نے گرانی
وہ بار کھینچ لایا یہ ناتواں کہاں سے
پوچھو نہ سارباں سے

نوحہ

جب پتھروں کی زد پہ گرفتار آ گیا
زینبؑ پکاریں شام کا بازار آ گیا

زخموں سے خوں کی دھار بھی ٹھہری نہ تھی ابھی
عابدؑ نے غش سے آنکھ بھی کھولی نہ تھی ابھی
پھر تازیانہ لے کے ستمگار آ گیا

پاؤں دھنسے کہ بیڑیاں خاموش ہوگئیں
اُٹھا وہ شور بیبیاں خاموش ہوگئیں
پھر غش میں ہائے قافلہ سالار آ گیا

گزری جدھر جدھر سے قیامت ہوئی نہ کم
زینبؑ کے سر سے ایک مصیبت ہوئی نہ کم
بازار سے جو نکلی تو دربار آ گیا

وہ قہقہے وہ شور وہ تاشے وہ اژدھام
عابدؑ کے لب پہ ہائے کبھی آ گیا جو شام
زینبؑ کو یاد درّوں کا آزار آ گیا

اِس قافلے نے کیسی مصیبت نہیں سہی
راہوں میں قیدیوں کے لیے دھوپ ہی رہی
کب یہ ہُوا کہ سایۂ دیوار آ گیا

روزِ جزا نویدِ صفِ انبیاء سجی
حق کی صدا پہ اُٹھ گئے تعظیم کو سبھی
جب صبر کے قبیلے کا سردار آ گیا

نوحہ

یہ دم ہے کہاں طوق میں عابدؑ کو جُھکالے
یہ سر تو پسِ طوق ہے افلاک سنبھالے

یارب سرِ زینبؑ سے ردا یوں تو نہ لُٹتی
یہ غربتِ زینبؑ تو چھپائے نہیں چھپتی
سر کیسے چھپائے وہ اگر خاک نہ ڈالے

درّوں سے شکستہ ہوئے سجادؑ کے پہلو
رسی میں بندھے جس گھڑی زینبؑ کے تھے بازو
حسرت ہی رہی دل میں کہ عابدؑ کو بچالے

معصوموں کا یہ حال بھی دیکھے کوئی ہائے
بچہ جو کہیں راہ میں پانی کوئی پائے
جلتی ہوئی سجادؑ کی بیڑی پہ ہی ڈالے

آتی ہے اِن آنکھوں میں جو یہ اڑتی ہوئی دھول
ہے شام کی راہوں میں جو یہ اڑتی ہوئی دھول
اِس دھول سے کہہ دے کوئی زینبؑ کو چھپالے

سجادؑ یہ کہتے تھے نہ کر ظلم یہ ملعون
مت کھینچ یہ گوہر نہ سکینہؑ کا بہا خون
گر تجھکو بہانا ہے مرا خون بہالے

جس دم تھا نویدؔ آگ کے شعلوں میں وہ خیمہ
اُٹھتے ہوئے شعلوں میں تھی زینبؑ کی تمنا
جل جائے وہ خود آگ میں عابدؑ کو بچالے

نوحہ

یہ تیرے پاؤں ہیں بیڑی کے درمیاں سجادؑ
کہ بازوؤں میں ہے زینبؑ کے ریسماں سجادؑ

بندھا جو ہوگا رسن میں گلا سکینہؑ کا
کڑی تو پڑگئی ہوں گی یہ بیڑیاں سجادؑ

یہ ہاتھ ہتھکڑیوں میں لگے کہاں جکڑے
گلے کا طوق لگا کس جگہ گراں سجادؑ

جو تو اٹھاتا نہ بارِ فلک حسینؑ کے بعد
تو ٹوٹ پڑتا زمیں پر یہ آسماں سجادؑ

یہ بے ردائیِ زینبؑ یہ شام کا بازار
یہ تازیانے کہاں اور تُو کہاں سجادؑ

ملادی خاک میں دربار کی اذاں تونے
اذاں کے درمیاں تونے جو دی اذاں سجادؑ

ردا کو شام کے بازار میں وہ یاد کرے
کہ تازیانے تجھے کھاتے دیکھے ماں سجادؑ

لکھے جو لفظ تو ٹپکے قلم سے خون نویدؔ
یہ حال ہو تو ترا حال ہو بیاں سجادؑ

نوحہ

آزادیِ توحید ہے سجاد کی زنجیر
والفجر کی تمہید ہے سجادؑ کی زنجیر

یہ شامِ غریباں کے اندھیرے کی صدا ہے
ہر صبح کی اُمید ہے سجادؑ کی زنجیر

وہ ذات کا زنداں ہو زماں ہو کہ مکاں ہو
ہر قید کی تردید ہے سجادؑ کی زنجیر

کس رات کا مہتاب ہے پیرایۂ سجادؑ
کس صبح کا خورشید ہے سجادؑ کی زنجیر

ہر ایک پہ سجتا نہیں یہ زیورِ سجادؑ
بس فقر کو تقلید ہے سجادؑ کی زنجیر

نوحہ

سجادؑ سے بازار میں آیا نہیں جاتا
زنجیروں میں بھی خود کو چھپایا نہیں جاتا

لاتے ہیں اُسے ہوش میں زینبؑ کو ستا کر
درّوں سے جسے ہوش میں لایا نہیں جاتا

بازار میں ہے سر کو جھکائے ہوئے ہائے
سرطوق سے بھی جس کا جھکایا نہیں جاتا

سجادؑ اُٹھائے ہوئے بازار سے گزرے
یزداں سے بھی جو وزن اٹھایا نہیں جاتا

چہروں کو بھلا اہلِ حرم کیسے چھپاتے
گر خاک سے بھی پردہ بنایا نہیں جاتا

کوئی کہو ہوتا مرے سجادؑ کا کیا حال
آنکھوں سے اگر خون بہایا نہیں جاتا

کہتا ہے نویدؔ آہ لہو آنکھ سے بہہ کر
نوحہ وہ لکھا ہے جو سنایا نہیں جاتا

نوحہ

اے شام لہو ہوگئیں سجادؑ کی آنکھیں
راہوں میں کہیں کھو گئیں سجادؑ کی آنکھیں

نیزہ جو بڑھے کھینچنے زینبؑ کی ردا کو
یوں ہو تو یہ سمجھو گئیں سجادؑ کی آنکھیں

بس کر نہ گیا آنکھوں سے پھر شام کا بازار
گریے ہی میں دیکھو گئیں سجادؑ کی آنکھیں

تھمتا ہی نہیں جس کے لیے گریۂ مہدیؑ
کیا جانیئے کیا روگئیں سجادؑ کی آنکھیں

ماتم کی صدا بن گیا خود دل کا دھڑکنا
غم سینے میں وہ بوگئیں سجادؑ کی آنکھیں

معصوم سکینہؑ کی طرف سیلیاں لے کر
لوشمر بڑھا لوگئیں سجادؑ کی آنکھیں

اے نالہ گرو نوحہ گرو گریہ گسارو
آنکھوں کو تو کھولو گئیں سجادؑ کی آنکھیں

مہدیؑ کی وہ آنکھیں ہیں نویدؔ اور کہوں کیا
جن آنکھوں میں ضم ہوگئیں سجادؑ کی آنکھیں

نوحہ

آ گیا بازار علی اکبرم
غش میں ہے بیمار علی اکبرم

اشک بہالے یہ ماں ، صدقہ نکالے یہ ماں
تم کو سجالے یہ ماں ، دولہا بنالے یہ ماں
آ ؤ جو اک بار علی اکبرم

ہچکیاں لے لے کے ماں، سنتی ہے جب بھی اذاں
تن سے نکلتی ہے جاں ، لگتی ہے دل پر سناں
چلتی ہے تلوار علی اکبرم

آ گئی شامِ بلاء ، ہوتی ہے ماں بے ردا
بھول گئے ماں کو کیا ، سنتے نہیں کیوں صدا
ماں کے مددگار علی اکبرم

غم سے چُھڑاؤ اُسے ، شکل دکھاؤ اُسے
لے کے تو آؤ اُسے ، بھول نہ جاؤ اُسے
صغرا ہے بیمار علی اکبرم

وہ جو ہے ماں کی مثال ، زینبؑ برگشتہ حال
جس نے رکھا ہے خیال ، پالا ہے اٹھارہ سال
زینب لاچار علی اکبرم

اے مرے کڑیل جواں ، ماں کے بندھی ریسماں
چلنے کو ہے کارواں ، تم ہو نہ جانے کہاں
مل تو لو اک بار علی اکبرم

تم نہیں ہونا ملول ، ماں کو ستم سب قبول
سر پہ اگر چہ ہے دھول ، بچ گیا دین رسولؐ
لٹ گیا گھربار علی اکبرم

آ گیا دربارِ شام ، جمع ہیں سب خاص و عام
ہنس رہا ہے بے لگام ، بیبیوں کا لے کے نام
مجمعِ اغیار علی اکبرم

ہے یہ صدائے نویدؔ ، در پہ جو آئے نویدؔ
صدقہ جو پائے نویدؔ ، لے کے وہ جائے نویدؔ
اے مرے سرکار علی اکبرم

نوحہ

شام ہے تیروں سے چھلنی چل رہی ہیں آندھیاں
اُٹھ رہا ہے بیبیوں کے جلتے خیموں سے دھواں

اے سکینہؑ یہ ہے مقتل ہیں یہاں لاشے پڑے
بابا بابا کہتے کہتے آ گئی ہو تم کہاں

طوق گردن میں پڑا ہے بیڑیاں پیروں میں ہیں
سر جھکائے خاک پر بیٹھا ہوا ہے اک جواں

اُڑ رہی ہے دشت میں چاروں طرف خیموں کی راکھ
رو رہا ہے آسماں اور رو رہی ہیں بیبیاں

خون بہنا مرتے دم تک بھی نہ کانوں سے رکا
اس طرح کھینچی گئیں کانوں سے اُس کے بالیاں

لپکے نیزے آ گئے خیموں کے اندر اہل شر
چھپ رہی ہیں زینبؑ مضطر کے پیچھے بیبیاں

پانی پایا ہے حرم نے شامِ عاشورہ کے بعد
بندھ گئیں ہیں دیکھ کر پانی کو سب کی ہچکیاں

ہاں اُٹھو اور نیتِ کرب و بلا باندھو نویدؔ
آ رہی ہے دشت سے ہل من کی آوازِ اذاں

نوحہ

پیاسوں کا قافلہ ہے کہ آہیں بھی قید ہیں
بچے بھی سب رسن میں ہیں مائیں بھی قید ہیں

اک سار باں ہے سر پہ نہیں جس کے کوئی چھاؤں
بیڑی وہ پاؤں میں ہے کہ کٹتے ہیں جس سے پاؤں
وہ طوق ہے گلے میں کہ سانسیں بھی قید ہیں

ناقوں کو تیز لے کے جو چلتے ہیں اہل شر
بچے بھی گرتے جاتے ہیں ناقوں سے خاک پر
اس پر ستم کہ ماؤں کی بانہیں بھی قید ہیں

سر کو پٹکتی خاک پہ سیدانیوں کے ساتھ
زنداں میں قید سارے ہی زندانیوں کے ساتھ
صبحیں بھی قید میں ہیں تو شامیں بھی قید ہیں

کھینچا سکینہؑ کا جو گلا گھُٹ کے رہ گئی
بابا نہ کہہ سکی کہ صدا گھُٹ کے رہ گئی
رسی ہے یوں گلے میں صدائیں بھی قید ہیں

وہ خامشی ہے درد میں ڈھلتی نہیں صدا
ہونٹوں سے قیدیوں کے نکلتی نہیں صدا
ہے حبس اِس قدر کہ ہوائیں بھی قید ہیں

دائم نویدؔ سینے میں ہے غم حسینؑ کا
دھڑکن بھی دل کی کرتی ہے ماتم حسینؑ کا
زندانِ اشک میں مری آنکھیں بھی قید ہیں

نوحہ

زنجیروں میں ہے کس لیے سالار خدایا
کم پڑ گیا کیا طوق کا آزار خدایا

بے پردگیِٔ اے اہلِ حرم ہی نہ تھی کچھ کم
کیوں اِسکو دیا شام کا بازار خدایا

کیسا ہے ستم بعدِ ستم بر سرِ سجادؑ
بازار گیا آ گیا دربار خدایا

زنجیروں میں یہ دل کے دھڑکنے کی صدا ہے
یا اشکوں کے گرنے کی ہے رفتار خدایا

کیوں اُسکو مسیحا کا مسیحا نہ کہوں میں
میں کیوں کہوں سجادؑ کو بیمار خدایا

سجادؑ نے شانے پہ لیا صبحِ ازل میں
جب کوئی اٹھانے نہ بڑھا بار خدایا

زینبؑ سے تو پوچھو یہ مسافر ہے کہاں کا
آیا ہے کہاں ہو کے گرفتار خدایا

آنکھوں سے نویدؔ اُسکے بہا کس لیے پھر خون
خنجر ہی چلا اُس پہ نہ تلوار خدایا

نوحہ

جو بیڑی ناتواں پیروں میں شام ڈھلتے پڑی
پھوپی عجیب سی حسرت سے دیکھتی تھی کھڑی

فرازِ ناقہ سے ہائے بہن نے کیا دیکھا
تھی لاش بھائی کی جلتی ہوئی زمیں پہ پڑی

جو تازیانہ لگایا پنہا کے طوق اُسے
پھوپی تو تھام کے دل رہ گئی کھڑی کی کھڑی

ہر ایک خیمہ سراسر لہو میں ڈوب گیا
تھمی نہ شام تلک خون کی لگی وہ جھڑی

گری سکینہؑ جو ناقے سے پائے عابدؑ میں
یہ وہ گھڑی تھی کہ جب بیڑی پڑگئی تھی کڑی

اُٹھے جو غش سے تو زینبؑ کو بے ردا دیکھا
نہ بھولے عابدِؑ بیمار عمر بھر وہ گھڑی

تھی تازیانہ اُسے بے ردائی زینبؑ کی
مصیبتوں میں مصیبت یہی تھی سب سے بڑی

کہو ہوا سے یہاں خاک سر پہ رہنے دے
ردا کہاں ہے یہاں خاک ہی ہے سر پہ پڑی

جو چھت نہیں تھی تو زنداں میں قیدیوں پہ نویدؔ
تمام دھوپ پڑی اور تمام اوس پڑی

نوحہ

بازار نے سجادؑ کو آتے ہوئے دیکھا
سرتا بہ قدم خوں میں نہاتے ہوئے دیکھا

زینبؑ کی ردا بابا کا سر بازوئے عباسؑ
سجادؑ کو کیا کیا نہ لُٹاتے ہوئے دیکھا

بیڑی میں کہاں دم تھا کہ پیروں سے لپٹتی
سجادؑ کو خود پاؤں بڑھاتے ہوئے دیکھا

بگڑی تھی کچھ ایسی جو کسی سے بھی نہ بنتی
سجادؑ کو وہ بات بناتے ہوئے دیکھا

وہ جس نے اللہ کا رستہ کیا سیدھا
پتھر اُسے ہر موڑ پر کھاتے ہوئے دیکھا

زینب کی اذیت سے اُسے آتا تھا جب غش
دُرّوں سے اُسے ہوش میں لاتے ہوئے دیکھا

بس خاک اُڑاتے ہوئے دیکھا اُسے میں نے
آنکھوں سے اُسے خون بہاتے ہوئے دیکھا

مقتل تو نویدؔ آہ بسانے کو بہت تھے
سجادؑ کو زندان بساتے ہوئے دیکھا

نوحہ

جب شام ہوئی درد سے دُہرا گئے سجادؑ
نیزے پہ ردا دیکھی تو غش کھا گئے سجادؑ

پھر سر پہ عمامہ نہ لیا خاک ہی ڈالی
زینبؑ کی ردا کیا ہے یہ بتلا گئے سجادؑ

جیسا کہ گلوئے علیؑ اصغرؑ سے بہا ہے
ویسا ہی لہو آنکھ سے برسا گئے سجادؑ

کب شام کے زنداں کے اندھیرے کو خبر ہے
کس شمع کو کس خاک میں دفنا گئے سجادؑ

تنہائی خدا کی ہے جو سمجھائی علیؑ نے
تنہائی علیؑ کی ہے جو سمجھا گئے سجادؑ

کرسی سے اٹھا کوئی عرش سے اٹھا
محشر میں جو گونجی یہ ندا آ گئے سجادؑ

لے تیز نویدؔ اور جو ماتم کی ہوئی ہے
اِس وقت یہ لگتا ہے یہاں آ گئے سجادؑ

اسرار ہیں زین العباؑ

منکشف جب تک نہ ہوں اسرار ہیں زین العباؑ
عبد میں معبود کا اظہار ہیں زین العباؑ

کیسی زنجیریں کہاں کا طوق کیا زنداں کی قید
اختیارِ کُن کے جب مختار ہیں زین العباؑ

تو کسے زنجیر پہنانے چلا ہے بے خبر
جانتا ہے وقت کی رفتار ہیں زین العباؑ

صبر کی طاقت کا اندازہ تجھے ہوجائے گا
ظلم تیرے سامنے اِس بار ہیں زین العباؑ

جو نہ نکلی نیام سے کرب و بلا کے دشت میں
صبر کے لشکر کی وہ تلوار ہیں زین العباؑ

جس پہ درباری اذانیں بھی نہ غالب آسکیں
ناتوانی میں بھی وہ گفتار ہیں زین العباؑ

جانے کیا گزری ہے اُن پر شام کے بازار میں
خود ہی نوحہ خود ہی ماتمدار ہیں زین العباؑ

ہیں مسیحا کے خدا اِس راز کو سب سے نویدؔ
راز رکھنے کے لئے بیمار ہیں زین العباؑ

نوحہ

سجادؑ آ رہے ہیں سجاد آ رہے ہیں
اہل حرم لہو کے آنسو بہا رہے ہیں
سجادؑ آ رہے ہیں سجاد آ رہے ہیں

کس طرح پتھروں سے زخمی کیا نبیؐ کو
گلیوں میں کس طرح سے کھینچا گیا علیؑ کو
خلقت کو سارے منظر پھر یاد آ رہے ہیں
سجاد آ رہے ہیں سجادؑ آ رہے ہیں

ہر اک نبی کے لب پر تکبیر کہہ رہی ہے
راہوں میں بین کرتی زنجیر کہہ رہی ہے
آتے ہوئے سروں پر پتھر بتا رہے ہیں
سجادؑ آ رہے ہیں سجادؑ آ رہے ہیں

والشمس والضحیٰ کی تمہید پیچھے پیچھے
سر پر ہے خاک ڈالے توحید پیچھے پیچھے
شہبازؒ آگے آگے نوحہ سنا رہے ہیں
سجادؑ آ رہے ہیں سجادؑ آ رہے ہیں

شب دن میں ڈھل رہی ہے دن شب میں ڈھل رہا ہے
یہ قافلہ مسلسل صدیوں سے چل رہا ہے
کانٹے بچھانے والے کانٹے بچھا رہے ہیں
سجادؑ آ رہے ہیں سجادؑ آ رہے ہیں

بیڑی میں قید ہو کر آزاد چل رہے ہیں
سجادؑ کب رکے ہیں سجادؑ چل رہے ہیں
دُرّے لگانے والے دُرّے لگا رہے ہیں
سجادؑ آ رہے ہیں سجادؑ آ رہے ہیں

اپنی صدا میں قدسی اعلان کر رہے ہیں
آمد کا روزِ محشر سامان کر رہے ہیں
خود مصطفیؐ و حیدرؑ رستا بنا رہے ہیں
سجادؑ آ رہے ہیں سجادؑ آ رہے ہیں

یہ جو نویدِ اذاں کی آواز آ رہی ہے
لَے تیز ہو کے ماتم کی یہ بتا رہی ہے
سجادؑ آ رہے ہیں سجادؑ آ رہے ہیں
سجادؑ آ رہے ہیں سجادؑ آ رہے ہیں

نوحہ

آؤ میں بتاتا ہوں تمہیں اپنی فضیلت
عابدؑ ہوں میں کیوں اور ہے کیا میری عبادت
جز ماتم و گریہ نہیں کچھ میری امامت
کیوں مجھ کو ملی قافلۂ غم کی قیادت
توحید کے دربار میں کس کا ہے یہ قامت
بازار میں لائی ہے بتاؤ کسے غربت
ہے میری فضیلت نہ امامت نہ ولایت
ہے فخر مرا یہ کہ میں ہوں پہلا عزادار
مقتل ہو کہ زنداں ہو کہ بازار کہ دربار
یہ بارِ گراں پشت پہ میں نے ہی اٹھایا
اِس غم نے مجھے پہلا عزادار بنایا
عمامہ مرا دھول ہے اور خاک ہے دستار
میں پہلا عزادار ہوں میں پہلا عزادار

کٹ جاتا مرا سر کہ ستمگر بھی تھے موجود
تھے تیر بھی تلوار بھی خنجر بھی تھے موجود
اِس واسطے آیا مرے حصے میں یہ بازار
میں پہلا عزادار ہوں میں پہلا عزادار

پوشیدہ مرے گریے میں آدم کا ہے گریہ
پوشیدہ مرے گریے میں خاتم کا ہے گریہ
اِس واسطے مجھ کو ہے ملا دیدۂ خونبار
میں پہلا عزادار ہوں میں پہلا عزادار

یہ کرب و بلا خواب ہے میں خواب کی تعبیر
اِس واسطے ڈالی گئی اِن پیروں میں زنجیر
اِس واسطے گردن میں پڑا طوقِ گرانبار
میں پہلا عزادار ہوں میں پہلا عزادار

بازار میں اِن آنکھوں سے رونا تھا مجھے خون
یا شام کے دربار میں ہونا تھا مجھے خون
اس واسطے مجھ پر نہ چلائی گئی تلوار
میں پہلا عزادار ہوں میں پہلا عزادار

یہ وزن ہی ایسا تھا کسی نے نہ اُٹھایا
یہ وزن اُٹھانے کو مگر کوئی نہ آیا
اِس واسطے مجھ کو ہے ملا شام کا آزار
میں پہلا عزادار ہوں میں پہلا عزادار

نیزے پہ ردا دیکھی ہے اے شامِ غریباں
دیکھا ہے سرِ نیزہ سرِ شاہِ شہیداں
اِس واسطے ہے گریہ و ماتم مرا اظہار
میں پہلا عزادار ہوں میں پہلا عزادار

ہے قافلۂ شام و سحر میرے حوالے
میں چلتا ہی رہتا ہوں لیے پاؤں میں چھالے
اِس واسطے ہے مجھ کو ملا راستا پرخار
میں پہلا عزادار ہوں میں پہلا عزادار

میں پیکرِ عصمت ہوں میں ہوں پشتِ رسالت
میں پشتِ امامت ہوں میں ہوں پشتِ ولایت
اِس واسطے دُرّوں کی ہوئی پشت پہ بوچھار
میں پہلا عزادار ہوں میں پہلا عزادار

اک میں ہی جہانِ فیہ کوں ، کُن کی صدا ہوں
مقتل میں جو سر کٹ گئے میں اُن کی صدا ہوں
اِس واسطے توحید کے لہجے میں ہے گفتار
میں پہلا عزادار ہوں میں پہلا عزادار

ہر وقت نویدؔ آتی ہے سجادؑ کی آواز
گونجی ہی چلی جاتی ہے سجادؑ کی آواز
اِس واسطے ہے وقت سے آگے مری رفتار
میں پہلا عزادار ہوں میں پہلا عزادار

نوحہ

چلے جب سیدِ سجادؑ اجڑا قافلہ لے کر
نہ تھا سر پر عمامہ کربلا کی خاک تھی سر پر

عمامے لُٹ گئے ہائے ردائیں لٹ گئیں ہائے
سروں کو ڈھانپنے کو خاک ہے یا راہ کے پتھر

لپٹ کر گرد میں اہل حرم روتے تھے غازی کو
قناتیں بن گئی تھی راستے کی دھول اُڑ اُڑ کر

طوافِ سید سجادؑ کرنے جب بھی اُٹھتی تھی
ٹھہر جاتی تھی بیڑی پر نگاہِ زینبؑ مضطر

لہو آنکھوں میں بھرجاتا تھا خیموں کا دُھواں بن کر
کہیں زینبؑ کو یاد آتا تھا جب بھی عصر کا منظر

کہاں تھا دم یہ بیڑی میں لپٹ جاتی جو پیروں سے
دیا تھا سید سجادؑ نے یہ اذن خود بڑھ کر

ہے دو نیزوں پہ سب لکھی ہوئی روداد الااللہ
کہ اک نیزے پہ سر ہے اور ردا ہے ایک نیزے پر

بہ وقتِ شام آنکھوں کو اداسی گھیر لیتی ہے
نویدؔ آتا ہے کس کی یاد لے کر شام کا منظر

نوحہ

ہائے سجادؑ کو رونے کے زمانے آئے
رونے والے تیرا تابوت اٹھانے آئے

صرف زینبؑ کو ہے سجادؑ کے غم کا ادراک
کیا تھا گریے میں جسے اپنے چھپانے آئے

جانتے تھے ہیں یہی ہاتھ طنابِ کعبہ
شامی اِس واسطے ہتھکڑیاں پنہانے آئے

جانتے تھے ہیں یہی پاؤں ستونِ توحید
ظالم اس واسطے زنجیر پنہانے آئے

گریہ کیا چیز ہے تنہائی کسے کہتے ہیں
نوحؑ و آدمؑ کو یہ سجادؑ بتانے آئے

جانتا کون اگر خون نہ روتے سجادؑ
وہی اجڑے ہیں جو دنیا کو بسانے آئے

آسماں روتا ہے یا اَبر برس جاتا ہے
اُن زمیں والوں پہ ، جو خاک اڑانے آئے

لُوٹ سے شام غریباں کی بچا کیا ہے نویدؔ
جس کو بازار میں سجادؑ لُٹانے آئے

نوحہ

بیبیاں راہ میں درّوں کے ستم سہتی رہیں اور سجادؑ کی آنکھوں سے لہو بہتا رہا
جانے سالار سے کیا کہتی رہیں سنتی رہیں اور سجادؑ کی آنکھوں سے لہو بہتا رہا

پردہ ہاتھوں کا بناتیں تو بناتیں کیسے
تھی رسن ہاتھوں میں منہ اپنا چھپاتیں کیسے
موند کر آنکھیں ستم گاروں سے وہ چھپتی رہیں اور سجادؑ کی آنکھوں سے لہو بہتا رہا

بیبیوں کے لیے آزار تھا آزار کے بعد
آئیں جب شام کے دربار میں بازار کے بعد
بھرے دربار میں وہ دھنستی رہیں گڑتی رہیں اور سجادؑ کی آنکھوں سے لہو بہتا رہا

کربلا یاد دلاتی تھی صدا گریے کی
گھر کے ہر گوشے سے آتی تھی صدا گریے کی
دیکھ کر سیدِ سجادؑ کو وہ روتی رہیں اور سجادؑ کی آنکھوں سے لہو بہتا رہا

مار کر درے اُٹھائے ہوئے سالار کے ساتھ
کھا کے غش خاک پہ گرتے ہوئے سالار کے ساتھ
خاک سے اُٹھتی رہیں خاک پہ وہ گرتی رہیں اور سجادؑ کی آنکھوں سے لہو بہتا رہا

کوئی مشکل نہ تھی سجادؑ کی آسان نویدؔ
ہو وہ دربار کہ ہو شام کا زندان نویدؔ
کبھی بیڑی تو کبھی طوق کو وہ روتی رہیں اور سجادؑ کی آنکھوں سے لہو بہتا رہا

نوحہ

اے خدا آخر یہ کیا سجادؑ کی آنکھوں میں ہے
خون ہے یا کربلا سجادؑ کی آنکھوں میں ہے

آندھیاں، صحرا، سِناں، خنجر، لہُو، شعلے، دھواں
اور کیا اِس کے سِوا سجادؑ کی آنکھوں میں ہے

عالم حسرت کِسی نے گر نہ دیکھا ہو اُسے
دیکھ لے آ کر خدا سجادؑ کی آنکھوں میں ہے

تیر ہے اُس میں کہ وہ ہے تیر میں کِس سے کہیں
ایک ننھا سا گلا سجادؑ کی آنکھوں میں ہے

شام کے تاریک زنداں میں جسے دفنا دیا
وہ سکینہؑ کا دیا سجادؑ کی آنکھوں میں ہے

میں نے پُوچھا جب خدا سے ہے کہاں میدانِ حشر
اُس نے یہ مجُھ سے کہا سجادؑ کی آنکھوں میں ہے

ایک سَر خنجر تلے آنکھوں میں ہے سجادؑ کی
اور اِک سَر بے رِدا سجادؑ کی آنکھوں میں ہے

اے گھروں میں بسنے والو کچھ تمہیں بھی ہے خبر
ایک گھر اُجڑا ہُوا سجادؑ کی آنکھوں میں ہے

جو رگوں میں ہے رواں توحید کی ہر دم نویدؔ
وہ لہُو صُبح و مَسا سجادؑ کی آنکھوں میں ہے

نوحہ

سجّادؑ نہ ہوتے تو یہ غم کون اُٹھاتا
دل تھامے ہوئے شام کے بازار میں آتا

بیتاب تھے سب تیغ لگانے کو گلے سے
یہ طوق کا آزار گلے کون لگاتا

توحید کسی طرح بھی آباد نہ ہوتی
گر شام کی راہوں میں نہ وہ خاک اُڑاتا

مِلتا نہ اگر سیّدِ سجّادؑ کا سینہ
اسلام نہ معلوم کہاں ٹھوکریں کھاتا

مقتل سے جو نکلا تھا لہو ہوکے وہ سجدہ
سجّادؑ کی پیشانی میں کیونکر نہ سماتا

کر دیتا الگ سجدہ و ماتم کو زمانہ
سجّادؑ جو گریے کا مُصّلا نہ بچھاتا

بلوے میں مگر دیکھ کے زینبؑ کو کھُلے سَر
آنکھوں سے اگر خوں نہ بہاتا، کہاں جاتا

سجّادؑ کے ہمراہ جو زینبؑ نہیں ہوتیں
یہ اُجڑی ہوئی کرب و بلا کون بساتا

آیا ہے نویدؔ آپ کا تابوت اُٹھانے
اشکوں کے سوا کیا تھا کہ جو نذر کو لاتا

نوحہ

اک نیزے پر سر ہے اک نیزے پر چادر
بُھولا تو نہ جائے گا سجادؑ سے یہ منظر

یا خون برستا ہے یا آندھیاں چلتی ہیں
سجادؑ کے پیروں میں زنجیریں ڈلتی ہیں
جو خاک پہ گرتا ہے گرتا ہے غش کھا کر

کیا پوچھتے ہو مجھ سے بازار میں کون ہے یہ
پہنے ہوئے زنجیریں دربار میں کون ہے یہ
زینب کی ردا ہے یہ کلثوم کی ہے چادر

ہے آج بھی خون رواں سجادؑ کی آنکھوں سے
رُوتے ہیں امامِ زماں سجادؑ کی آنکھوں سے
چودہ سو برس گزرے گریہ نہ تھما پَل بھر

ہر ایک مُسافر کے لب پر ہے صدا یارب
ٹھہرے گا کہا جا کر رستا یہ بتا یارب
اب قہقہے کتنے ہیں اب کتنے ہیں پتھر

چالیس برس اُس نے مانگا نہ کبھی پانی
یہ آہ سنی اُس نے لایا جو کوئی پانی
سوکھے ہوئے ہونٹوں پر بس تھا ہائے اصغر

ہاتھوں میں شہہ والا اصغرؑ کو اٹھائے ہیں
توحید اٹھا کر یہ آغوش میں لائیں ہیں
یہ معنیِ والنہر ہے یہ نصِ کلکوثر

یہ کُن کی صدا ہے یا ہچکی کی صدا ہے یہ
جلوہ ہے خدا کا یا اصغرؑ کی ادا ہے یہ
اللہ کو اصغرؑ نے ہے کیسے کہا اکبر

محراب تلے سجدہ جو خوں میں نہایا ہے
وہ جس کی سَلونی نے منبر کو سجایا ہے
محراب یہ اُس کی ہے اُس کا ہے یہ منبر

لولاک سمائے ہیں کاسے میں فقیروں کے
دریا اتر آئے ہیں کاسے میں فقیروں کے
اُس در سے نویدؔ آیا یعنی نوحہ لیکر

نوحہ

ہائے بازار میں وہ خوں میں نہاتا سجادؑ
خاک اُڑاتا ہُوا وہ ٹھوکریں کھاتا سجادؑ

نہ ہُوا ہو نہ صبا ہو نہ صدا کچھ بھی نہ ہو
جس جگہ گھور اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہ ہو
اپنے زخموں سے وہاں شمعیں جلاتا سجادؑ

کرکے گریہ کے عوض کرب و بلا کو زندہ
کرکے دربار میں شبیرؑ کے لا کو زندہ
گریے سے لا کو اللہ بناتا سجادؑ

ہائے توحید کو پہناتے ہو کیا زنجیریں
کیسے روکیں گی قدم اِس کے بھلا زنجیریں
طوق کے وزن سے بھی سر نہ جھکاتا سجادؑ

سر پہ ہے جس کے پڑی مقتلِ شبیرؑ کی خاک
سر پہ ہے اپنے اٹھائے ہوئے بارِ افلاک
پاؤں بیڑی کی طرف خود ہی بڑھاتا سجادؑ

زخم جو روح پر آئے تھے دکھاتا کس کو
راہ میں کوئی نہ تھا حال سناتا کس کو
اپنی تنہائی پہ خود اشک بہاتا سجادؑ

آ گیا شام میں تھامے ہوئے اونٹوں مہار
پاؤں بیڑی میں گلا طوق میں اور پاؤں میں خار
وعدۂ روزِ ازل اپنا نبھاتا سجادؑ

جو گزرتی ہے وہ خود آپ ہی سہتا ہے نویدؔ
سر جھکائے ہوئے خاموش ہی رہتا ہے نویدؔ
حال زینبؑ سے وہ خود اپنا چھپاتا سجادؑ

ص

یا زینبؑ

علیؑ کو صبر کے بدلے ملے حسینؑ و حسنؑ
علیؑ کو فقر کے بدلے عطا ہوئی زینبؑ
حوالے کر کے خدائی یہ کہہ رہا ہے خدا
تِری ردا کی نہ قیمت ادا ہوئی زینبؑ

خاکپائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

نوحہ

کجاوہ چاند کا ہے اور سورج کی عماری ہے سفر زینبؑ کا جاری ہے
لہو روتا ہُوا ناقے کے آگے اک مہاری ہے سفر زینبؑ کا جاری ہے

زمیں کے گِرد ماتم کر رہے ہیں سارے سیّارے اِسی اک غم کے ہیں مارے
ستاروں کی سرِ افلاک پیہم آہ و زاری ہے سفر زینبؑ کا جاری ہے

گزارا روزِ عاشورہ کے اک دن میں جو ہر اک دن ہر اک ظاہر ہر اک باطن
شبِ عاشور کی اک شب میں جو ہر شب گزاری ہے سفر زینبؑ کا جاری ہے

بہا جو آنکھ سے سجادؑ کی پُر پیچ راہوں میں جما عابدؑ کی آنکھوں میں
وہ خوں سجادؑ کا اب چشم سے مہدیؑ کی جاری ہے سفر زینبؑ کا جاری ہے

وہی نیزوں پہ سر ہیں اور وہی زینبؑ کا نوحہ ہے وہی عابدؑ کا گریہ ہے
وہی ہے سینہ کوبی اور وہی ماتم گساری ہے سفر زینبؑ کا جاری ہے

چلا خنجر تو زینبؑ نے کہا شبیرؑ میں صدقے مِرا وعدہ ہے یہ تجھ سے
ہے لا تیرا تو اللہ میری ذمہ داری ہے سفر زینبؑ کا جاری ہے

اٹھائی کربلا کی خاک اور عالم میں پھیلادی حقیقت سب کو بتلادی
سو اب صدیوں سے یہ جو گریہ و ماتم گساری ہے سفر زینبؑ کا جاری ہے

نویدؔ اک عالمِ گریہ میں پیہم خاک اڑاتا ہے یہی نوحہ سناتا ہے
زمیں تا آسماں پھیلی ہوئی اک سوگواری ہے سفر زینبؑ کا جاری ہے

نوحہ

عباسؑ علم تیرا زینبؑ کے حوالے ہے
شبیرؑ تیرا سجدہ زینبؑ کے حوالے ہے

زہرا کی صدا گونجی یہ شامِ غریباں میں
اللہ کا ہر منشا زینبؑ کے حوالے ہے

زینبؑ کے حوالے ہے ہر زخم مِرے دل کا
آنسو کا ہر اک قطرہ زینبؑ کے حوالے ہے

زینبؑ کو رسن بستہ دربار میں جانا ہے
پیشی کا مِری بدلہ زینبؑ کے حوالے ہے

کُرتا علیؑ اصغر کا عباسؑ کے دو بازو
یہ کل مِرا سرمایہ زینبؑ کے حوالے ہے

اُمت ہے بدلنے کو قبلہ مِرے بابا کا
اے دین ترا قبلہ زینبؑ کے حوالے ہے

جس خون میں شامل ہے ہر خون جو ناحق ہے
اُس خون کا ہر قطرہ زینبؑ کے حوالے ہے

دیتا ہوں نویدؔ آ کر گلیوں میں صدا ہر دم
یعنی یہ مِرا کاسہ زینبؑ کے حوالے ہے

نوحہ

خاک اُڑاؤ خوں میں نہاؤ نیزے پہ آئی زینبؑ کی چادر
آئی قیامت محشر اٹھاؤ نیزے پہ آئی زینبؑ کی چادر

انبیاؑ کیا اوصیا کیا اولیا کیا کبریا کیا
جبریلؑ جاؤ سب کو بلاؤ نیزے پہ آئی زینبؑ کی چادر

صبح و مسا و شام و شبینہ غم سے لہو ہے عابدؑ کا سینہ
کیسے بھرے گا سینے کا گھاؤ نیزے پہ آئی زینبؑ کی چادر

ہے کون سایہ کوئی نہیں ہے عابدؑ ہے تنہا کوئی نہیں ہے
لاؤ کہیں سے اللہ لاؤ نیزے پہ آئی زینبؑ کی چادر

بازار لا کر دربار لا کر کہتے ہیں عابدؑ کو خوں رُلا کر
کہتے ہیں اعدا اِس کو ستاؤ نیزے پہ آئی زینبؑ کی چادر

اس فاصلے کو اِس مرحلے کو اِس سلسلے کو اس قافلے کو
دیتا نہیں ہے کوئی پڑاؤ نیزے پہ آئی زینبؑ کی چادر

زنجیریں کھولے سب ہی کھڑے ہیں تلواریں تولے سب ہی کھڑے ہیں
آؤ نویدؔ اب نوحہ سناؤ نیزے پہ آئی زینبؑ کی چادر

نوحہ

آج بھی زینبؑ کی آتی ہے صدا بھائی حسینؑ
تیرا چہرہ تیری آنکھیں بھول کب پائی حسینؑ

چلتے ناقے سے گرایا خود کو جلتی ریت پر
گھٹنیوں کے بل میں تیری لاش تک آئی حسینؑ

بس مَیں گھبرائی تھی خنجر تجھ پہ چلتا دیکھ کر
پھر کسی مشکل میں گھر کر میں نہ گھبرائی حسینؑ

بہہ رہے تھے آنکھ سے آنسو تِری رخصت کے وقت
پھر کوئی آنسو نہ ٹپکا آنکھ پتھرائی حسینؑ

ایک اک حجرے میں رک کر ٹھہر کر ہر در کے پاس
خالی گھر میں ڈھونڈتی ہے تجھ کو تنہائی حسینؑ

کون تھا جو مرنے والوں میں نہیں تھا خُوبرو
بھولنے بیٹھی تو کس کس کی نہ یاد آئی حسینؑ

دیکھتی ہُوں خاک دامن میں تو بھر آتا ہے دل
خاک پر مَیں کیسے کیسے پھول چھوڑ آئی حسینؑ

صورتیں اِک ایک کرکے چھین لیں سب وقت نے
تیرے بچپنے کی مگر صورت نہ دکھلائی حسینؑ

ہاتھ میں کوزے لیے سب آسماں تکتے رہے
ابر نے اک بوند پانی کی نہ برسائی حسینؑ

دور اُفتادہ سفر سے لَوٹ کر مَیں نے نویدؔ
ٹھنڈا پانی جب پیا بس تیری یاد آئی حسینؑ

نوحہ

سرِ حسینؑ کٹا ہے جس ابتداء کے لیے
ہے بے ردا سرِ زینبؑ اُس انتہاء کے لیے

بتایا حُرؑ نے یہ پڑھ کر حسینؑ کا کلمہ
کہ یا حسینؑ ضروری ہے لااِلہٰ کے لیے

چڑھا کے بانوؑ نے ننھی سی آستینوں کو
سنوارا ہے علی اصغرؑ کو بھی وغا کے لیے

ابھی ہے خیمے کے دَر پر کھڑی ہوئی زینبؑ
ابھی نہ حلق پہ خنجر چلا خدا کے لیے

سکینہؑ تیری خموشی پہ ہے بپا کہرام
ترس رہا ہے یہ زنداں تِری صدا کے لیے

پسر کے سینے سے ہائے وہ کھینچ کر برچھی
اُٹھانا شاہ کا ہاتھوں کو وہ دعا کے لیے

نویدؔ ثانیٔ زہراؑ سے مانگ اُن کا کرم
سفینہ چاہیے اِس قلزمِ ثنا کے لیے

نوحہ

اس طرح سے شام تاریکی میں چھپ جائے حسینؑ
سر نہ زینبؑ کو سرِ نیزہ نظر آئے حسینؑ

ہو رہا ہے گم ترا سایہ نشیب دشت میں
بڑھ رہے ہیں سوئے زینبؑ شام کے سائے حسینؑ

ہاتھ غازیؑ کے کٹے یا کٹ گئے زینبؑ کے ہاتھ
یہ چُھری تجھ پر کہ زینبؑ پر چلی ہائے حسینؑ

وہ جو گُھڑکی سے بھی ناواقف ہو بچی پھول سی
ہائے وہ مُنہ پر طمانچے کس طرح کھائے حسینؑ

کاش جاتی شام لے جائے تن ِ زینبؑ سے جاں
یوں بھی جیتے جی وہ مر ہی جائے گی ہائے حسینؑ

کربلا سے شام تک اور شام سے زندان تک
کون سے لمحے سکینہؑ کو نہ یاد آئے حسینؑ

خوں جو جاری ہے رگوں میں شہ کا صدقہ ہے نویدؔ
جب تلک جاری ہے خوں کہتے رہو ہائے حسینؑ

نوحہ

زینبؑ کی بجھتی آنکھوں میں تاریک ہُوا سارا مقتل
بس تیر ہی رہ گئے آنکھوں میں آنکھوں سے ہوا بھائی اوجھل

صحرا کی ساری خاک اُڑ کر جب آ گئی زینبؑ کے سر میں
تب جا کے خاک سے پھوٹی ہے یہ الااللہ کی اک کونپل

اب چاہے آگ لگے اِس کو یا کوئی کھینچ کے لے جائے
وہ سر تو چڑھ گیا نیزے پر جس سر کے لیے تھا یہ آنچل

آندھی نیزے اور تیر تبر اک خشک گلا اور اک خنجر
زینبؑ کے دل میں سمٹ آئی سب شامِ غریباں کی ہلچل

اطراف میں اَدھ جلے خیموں کے اک سایہ حرکت کرتا ہُوا
روندا ہُوا خاک پہ اِک لاشہ اور دور تلک سونا جنگل

شبیرؑ کی شہ رگ سے ہائے زینبؑ کی جان نکلتی تھی
جس وقت لرزتی تھی ہر شے زینبؑ تھی درِ خیمہ پر شل

سینہ کوبی و سینہ زنی زنجیر زنی و قمع زنی
زینبؑ کے دل کے لہو سے ہے یہ ساری کرب و بلا جل تھل

آنسو جو بھی بہتا ہے نویدؔ موتی بن کر کہتا ہے نویدؔ
ہر ایک خوشی اِس پر قرباں اِس غم کا نہیں ہے کوئی بدل

نوحہ

چادر کا خیال آتے ہی زینبؑ کو غش آیا بازار جب آیا
سب بیبیوں نے چہروں کو بالوں سے چھپایا ، بازار جب آیا

دیکھو یہ تماشائی کھڑے ہنستے ہیں ہم پر ، برساتے ہیں پتھر
لوٹ آئی سکینہؑ کی صدا کوئی نہ آیا، بازار جب آیا

بس نادِ علیؑ پڑھتی رہی سر کو جھکائے، پتھر کئی آئے
خوں سر سے ٹپکتا رہا پر سر نہ اٹھایا، بازار جب آیا

مقنع ہے نہ چادر کہو سر کیسے چھپائیں، اب ہم کہاں جائیں
سجادؑ کو زینبؑ نے قریب اپنے بلایا، بازار جب آیا

کیوں دیر سے آئی نہیں زنجیر کی جھنکار، کیا آ گیا بازار
یہ پوچھنے دل تھام کے فضہ کو بلایا، بازار جب آیا

ہم اہل حرم کو یہ تماشائی برابر، دیکھیں گے کُھلے سر
کلثومؑ کو اِس خوف نے تصویر بنایا، بازار جب آیا

بیمار جو بازار میں تھا سر کو جھکائے، درّے جو لگائے
سر تا بہ قدم خون میں بیمار نہایا، بازار جب آیا

کی شامیوں نے کیسی یہ مظلوموں کی خاطر، آئے جو مسافر
پتھر ہی برستے تھے کہاں تھا کوئی سایہ، بازار جب آیا

کس طرح نوید آہ لکھوں شام کی منزل ، کٹتا ہے مرا دل
نوحہ جو یہ لکھا ہے تو دل خوں سے بھر آیا، بازار جب آیا

نوحہ

صحرا کی ہوا نے بھائی کو مٹی کا کفن پہنایا ہے
ہاتھوں میں رسن سر بے چادر کیا وقت بہن پر آیا ہے

مقتل نے خاک اڑھائی ہے تیرں نے لاش اُٹھائی ہے
نیزوں نے قبر بنائی ہے تلواروں نے دفنایا ہے

تھی خاک پہ لاش جو بھائی کی زینب کو رِدا کی ڈھارس تھی
جس وقت ہوئی ہے بے چادر زینبؑ کو کفن یاد آیا ہے

ہے شور سلام و علیکَ کا ہے شور اباَ عبداللہ کا
خیموں میں ماتم برپا ہے اِک سر نیزے پر آیا ہے

اک سر کو دیکھنے نیزے پر، اک سر کو دیکھ کے نیزے پر
سجادؑ اٹھے ہیں غش سے ابھی زینبؑ کو ابھی غش آیا ہے

مقتل میں کیا رو رو کے ادا زینبؑ نے شکریہ تیروں کا
مجھ بے چادر کے بھائی کا لاشہ تیروں نے چھپایا ہے

اس بات پہ میں حیراں ہوں نویدؔ وہ کیسے مسلماں تھے جو نویدؔ
کلمہ بھی اُسی کا پڑھتے تھے خنجر بھی اُسی پہ چلایا ہے

نوحہ

بہن کا سر ہے کُھلا شام آ گیا غازیؑ
نہیں خبر تمہیں کیا شام آ گیا غازیؑ

جواب کیوں نہیں دیتے اُسی طرح سے مجھے
میں دے رہی ہوں صدا شام آ گیا غازیؑ

سناں سے گرتے ہوئے تیرے سر کو جب دیکھا
مجھے تو ایسا لگا شام آ گیا غازیؑ

شرابی قہقہے کانوں کو جب سنائی دیے
مجھے یقین ہوا، شام آ گیا غازیؑ

تمہی ردا کے محافظ تھے تم سے کہتی ہوں
نہیں ہے سر پہ ردا شام آ گیا غازیؑ

ہر ایک بی بی پہ ہونے لگی غشی طاری
اندھیرا چھانے لگا شام آ گیا غازی

اُدھر تھا شور تماشائیوں میں اور نویدؔ
اِدھر تھی سب کی صدا شام آ گیا غازیؑ

نوحہ

کیا خدایا کوئی ہے زینبؑ مضطر کے قریب
دیکھ اب ہاتھ پہنچنے کو ہیں چادر کے قریب

آ گیا وقت کہ ہو کرب و بلا کی تکمیل
تیر آنے لگے گہوارۂ اصغرؑ کے قریب

کٹ گرے خاک پہ شاید کہ علمدار کے ہاتھ
شمر کے ہاتھ جو آ پہنچے ہیں گوہر کے قریب

شہہؑ نے پیوستی کی تیروں کو اجازت دی تھی
تیر آ سکتے تھے ورنہ تنِ سرورؑ کے قریب

بیبیاں خود کو سرِ خاک گرا دیتی تھیں
ناقہ آ جاتا تھا جب ننھے سے اک سر کے قریب

ہاتھوں سے ڈھونڈتے ہیں لاش کہ بینائی نہیں
لاش سے دور ہیں شہہؑ لاشۂ اکبرؑ کے قریب

اتنے افسردہ تھے بچے کہ علمدار کے بعد
بھول کر بھی نہیں آیا کوئی ساغر کے قریب

زینبؑ آئیں تھیں یونہی لاشۂ شبیرؑ کے پاس
جس طرح پہنچے تھے شہؑ لاشۂ اکبرؑ کے قریب

لشکرِ شہؑ کا حشم تھا ہی کچھ ایسا کہ نویدؔ
کربلا آ گئی خود چل کے بہتر کے قریب

نوحہ

بھرے دربار میں زینبؑ جو ہو کر قید آتی ہے
بندھے ہیں ہاتھ آنکھیں بند کر کے منہ چھپاتی ہے

نہ خود اُٹھتے ہیں عابدؑ اور نہ عابدؑ بیٹھتے ہیں خود
یہ بیڑی کی ہے مشکل جو اٹھاتی ہے بٹھاتی ہے

ہے زینبؑ کون تم میں پوچھتا ہے جب وہ ظالم تو
ہر اِک بی بی خود آگے آ کے زینبؑ کو چھپاتی ہے

وہ ظالم مانگتا ہے جب سکینہؑ کو کنیزی میں
یہ منزل ہی کچھ ایسی ہے کہ زینبؑ کانپ جاتی ہے

کنیزی کا ہے مطلب کیا سکینہؑ پوچھتی ہے جب
تو زینبؑ تھام کر دل کو زمیں پر بیٹھ جاتی ہے

نشاں بازو کے دکھلا کر سکینہؑ کو پھوپی زینبؑ
یہاں سے ہاتھ غازیؑ کے کٹے تھے یہ بتاتی ہے

گلے کا نیل دکھلا کر سکینہؑ ہائے زینبؑ کو
یہاں سے ہی گلا شہؑ کا کٹا تھا یہ بتاتی ہے

نویدؔ اُس وقت مجھ کو یاد کیا آتا ہے مت پوچھو
سفر میں سر پہ جب اڑ کر ہوا سے خاک آتی ہے

نوحہ

کوئی چھین نہیں سکتا ہم سے ماتم ہے امانت زینبؑ کی
عابدؑ کی امامت نوحہ ہے ماتم ہے اقامت زینبؑ کی

فرعون کے آگے موسیٰؑ کو جس نے کہ عطا کی تھی ہیبت
دربارِ یزید میں ظاہر کی اُس نے ہی جلالت زینبؑ کی

عرشی ہوں کہ فرشی سب نے کی اسلام کے ہاتھوں پر بیعت
رسّی جو بندھی بازو میں تو کی اسلام نے بیعت زینبؑ کی

اِس قافلے کی توحید نے خود بخشی ہے قیادت زینبؑ کو
جب عصمت کی منزل آئی پیش آئی ضرورت زینبؑ کی

ہے حُرمت و عصمتِ زینبؑ کیا اے کھینچنے والو سَر کی ردا
پوچھو یہ غلافِ کعبہ سے اوڑھے ہے جو خلعت زینبؑ کی

اِس دستِ دعا کو اے طالب کرلے تُو ذرا دستِ ماتم
پھر دیکھ کہ تجھ پر ہوتی ہے کس طرح سے رحمت زینبؑ کی

درپیش سفر بازار کا ہے بازار سے پھر دربار کا ہے
اِس مشکل میں ہے امامت کو درکار اجازت زینبؑ کی

جس شام کے شہر کی گلیوں میں اک دن وہ کُھلے سر آئی تھی
یہ شہر وہی ہے شہر مگر ہے آج حکومت زینبؑ کی

زینبؑ کے سر پہ فضیلت کا کیا تاج رکھے گا کوئی نویدؔ
سر پر ہے آپ فضیلت کے نعلینِ عقیدت زینبؑ کی

نوحہ

مقتل سے جو نکلی تو دِیا بن گئی زینبؑ
زینبؑ نہ رہی کرب و بلا بن گئی زینبؑ

گو عصر تلک تھی وہ لہو کی طرح خاموش
گونجی تو بہتر کی صدا بن گئی زینبؑ

جس دن سے مرا کرب و بلا بن گیا کعبہ
قبلے کی قسم قبلہ نما بن گئی زینبؑ

ہر لمحہ کہے جس کو حسینؑ اپنا ارادہ
میرے لیے وہ رازِ خدا بن گئی زینبؑ

توحید کُھلے سر تھی، ردا اپنی لٹا کر
اسلام ترے سر کی ردا بن گئی زینبؑ

جس نے کہیں ماتم کے لیے ہاتھ اٹھائے
اس کے لئے خود دستِ دعا بن گئی زینبؑ

جس دن سے نویدؔ اُس نے بچھائی صفِ ماتم
اُس دن سے شفاعت کی بنا بن گئی زینبؑ

نوحہ

روتی ہے بے ردائی کو چادر پکار کر
سوکھے گلے کو روتا ہے خنجر پکار کر

اے شمر پاؤں سینۂ قرآن سے ہٹا
دیتی رہی دہائی یہ خواہر پکار کر

کیا کاٹتا گلے کو گلے سے میں کٹ گیا
کہنے لگا یہ شمر سے خنجر پکار کر

بہتا ہے خوں سکینہؑ کے کانوں سے بن کے دھار
بہتے لہو کو روتے ہیں گوہر پکار کر

پانی جو پایا بچوں نے کوزوں میں بعدِ شام
اصغرؑ کو ہائے رو دیے ساغر پکار کر

اکبرؑ گرے جو گھوڑے سے سینے پہ رکھ کے ہاتھ
ماں در پہ رہ گئی علی اکبرؑ پکار کر

ناقے سے گر گئی ہے سکینہؑ رکو رکو
نیزے سے کہہ رہا ہے کوئی سر پکار کر

ہر در پہ خالی حجروں میں صغرا کے ساتھ ساتھ
ایک اک کو دے رہا ہے صدا گھر پکار کر

اب بھی نویدؔ ڈوبتے سورج کے ساتھ ساتھ
روتا ہے شہؑ کو شام کا منظر پکار کر

نوحہ

ہر قافلۂ صبح کی سالار ہے زینبؑ
خورشید ترا مطلعِ بیدار ہے زینبؑ

یعنی کہ ردا ہیں سرِ زینبؑ کی شہہِ دیں
یعنی سرِ شبیرؑ کی دستار ہے زینبؑ

جس دائرۂ کرب و بلا میں ہے زمانہ
اس دائرے کا نقطۂ پرَکار ہے زینبؑ

یہ کس کو خبر ہے کہ پسِ پردۂ جرأت
ہے جو لبِ سرورؑ پہ وہ انکار ہے زینبؑ

توحید اور اسلام کو ہر قیدِ ستم سے
آزاد کرانے کو گرفتار ہے زینبؑ

گفتار میں ہے فاطمہ زہراؑ کی فصاحت
خاموشی میں توحید کا اسرار ہے زینبؑ

کر لے تُو ذرا دستِ دعا کو یدِ ماتم
پھر دیکھ کہ کس طرح مددگار ہے زینبؑ

جس کے لیے اُترا ہے نویدِ اشک کا آزار
وہ دیدۂ خوں بستہ و خوں بار ہے زینبؑ

نوحہ

کربلا میں لُٹا کے گھر اپنا آ گئی شام بے ردا زینبؑ
بچ گیا لاالہٰ اِلااللہ ہو گیا کارِ انبیاء زینبؑ

ایک نے ابتدائے لا کی ہے ایک نے انتہائے الااللہ
کربلا کی ہے ابتدا شبیرؑ کربلا کی ہے انتہا زینبؑ

آج بھی تُو ہی ہے شریکِ حسینؑ آج بھی ہے ترا سفر جاری
آج بھی ساتھ ساتھ ہل من کے آ رہی ہے تری صدا زینبؑ

انتخابِ ولایت و توحید اور کوئی نہیں بس ایک حسینؑ
اور اک تُو ہے انتخابِ حسینؑ کیا کہوں اب میں اور کیا زینبؑ

ایک واحد ہے اور ایک احد ایک ہے روح اور ایک جسد
کربلا ہے حسینؑ کا چہرہ کربلا کا ہے آئنہ زینبؑ

تو نہ ہوتی تو کربلا بھی نہ تھی کربلا گر نہ تھی خدا بھی نہ تھا
کربلا ہے بنائے الااللہ اور تجھ سے ہے کربلا زینبؑ

ہاتھ جس کے ہے عزت و ذلت صرف تو ہی ہے وہ یدیک الخیر
تُو جسے چاہے اُس کو ذلت دے تو ہی عزت کرے عطا زینبؑ

اوڑھ کر آپ کی ردا کعبہ پڑھ رہا ہے نویدؔ کا نوحہ
ہے سلامت خدا کا گھر لیکن آپ کا گھر اُجڑ گیا زینبؑ

نوحہ

خدا کے کام کو زینبؑ نے کر دکھایا ہے
رِدا کے بدلے میں توحید کو بچایا ہے

اگر ہے حق پہ تو بس پڑھ حسینؑ کا کلمہ
حسینؑ ہی نے تو یہ لا الہٰ بچایا ہے

کیا ہے تیغ تلے جس نے شکر کا سجدہ
جبیں نے جس کی خدا کو خدا بنایا ہے

حسینؑ وہ ہے جو تیغِ سوالِ بیعت کو
گلے سے مقتل ذلت میں گھیر لایا ہے

نوحہ

بعدِ شہہ زینبؑ مضطر کو کہاں نیند آتی
وارثِ لاشۂ بے سر کو کہاں نیند آتی

کربلا خاک کا بستر جو نہ ہوتا تیرا
عصرِ عاشور بہتّر کو کہاں نیند آتی

رات بھر جاگ کے زانو جو نہ ملتا شہہؑ کا
سوچتا ہوں حُرِؑ مضطر کو کہاں نیند آتی

خاک زنداں کی کہاں باپ کا سینہ بنتی
ہائے شبیرؑ کی دختر کو کہاں نیند آتی

سائے میں آتے ہی کیوں دم نہ نکلتا اُس کا
کوکھ اُجری ہوئی مادر کو کہاں نیند آتی

ستمِ شامِ غریباں سے پڑے تھے غش میں
راکھ پر اُجڑے ہوئے گھر کو کہاں نیند آتی

نیند زینبؑ کے کُھلے سر نے اُڑائی تھی نویدؔ
غش میں بھی عابدِؑ مضطر کو کہاں نیند آتی

نوحہ

کب شام کا زنداں یاد رہا کب اپنا کُھلا سر یاد رہا
بھائی کے گلے پر چلتا ہوا زینبؑ کو خنجر یاد رہا

دو منظر شامِ غریباں کے سجادؑ کی آنکھ نہیں بھولی
اک سر نیزے پر یاد رہا اک سر بے چادر یاد رہا

عابدؑ سے نہ پوچھا صغراؑ نے بس خوں روتے اُسے دیکھا کی
بازار کا منظر کیا پوچھے سجادؑ کو کیونکر یاد رہا

جس شام کو آندھیاں اُٹھی تھیں وہ شام رباب نہیں بھولی
آنا وہ عدو کا آگ لیے خیموں کے اندر یاد رہا

صغراؑ کی گود میں اصغرؑ کا جا کر نہ کسی صورت آنا
زنداں میں سکینہؑ کو ہر دم رخصت کا منظر یاد رہا

بس یاد رہا تو سواری کا وہ مقتل سے خالی آنا
کب اُس کو طمانچے یاد رہے کب اس کو گوہر یاد رہا

کیسا پانی کیسا سایہ جب دیکھو دھوپ میں بیٹھی ہے
سائے میں جانا بھول گئی بس ماں کو اصغر یاد رہا

ماتم کرتا سینے میں دھڑکتا دل ہر دم کہتا ہے نویدؔ
شبیرؑ کا غم دھڑکن کی قسم اِس دل کو برابر یاد رہا

نوحہ

زینبؑ کے تھا لبوں پر، اب شام جا رہی ہوں
رخصت کرو برادر اب شام جا رہی ہوں

قدموں پہ تیرے وارے دامن کے پھول سارے
دامن میں خاک بھر کر ، اب شام جارہی ہوں

بیمار ناتواں ہے ناقوں کا ساربان ہے
پہنے ہوئے ہے لنگر، اب شام جارہی ہوں

اب ننگے سر ہے پھرنا اب دربدر ہے پھرنا
اب چھن چکی ہے چادر، اب شام جارہی ہوں

بھائی پہ گھر لٹانے ، آئی تھی خاک اڑانے
صحرا میں خاک اڑا کر، اب شام جارہی ہوں

اب جیتے جی ہے مرنا بازار سے گزرنا
بالوں سے منہ چھپا کر، اب شام جا رہی ہوں

خنجر تھی تیری منزل بازار میری منزل
اب چل چکا ہے خنجر، اب شام جا رہی ہوں

بھائی ترے گُلو سے بہتے ہوئے لہو سے
منزل یہ ہوگئی سَر، اب شام جا رہی ہوں

پہلو نہ ماں کا پائے ڈر ہے کہ ڈر نہ جائے
تیرے حوالے اصغرؑ، اب شام جا رہی ہوں

اُٹھی نویدؔ کہہ کر شیرِ خدا کی دختر
حافظ خدا برادر، اب شام جا رہی ہوں

نوحہ

ماں جائے جُدا ہو کر گھر کیسے مَیں جاؤں گی
تم خاک پہ سوؤ گے مَیں خاک اُڑاؤں گی

صغراؑ سے نشاں اپنے بازو کے چُھپا لوں گی
پوچھے گی جو اکبرؑ کو کیا اس کو بتاؤں گی

آ کر وہ سکینہؑ کا قدموں سے لپٹ جانا
منظر تری رخصت کا میں کیسے بھلاؤں گی

سر دو گے تم اپنا تو میں دوں گی ردا اپنی
تم دین بچاؤ گے میں تم کو بچاؤں گی

غازیؑ یہ علم تیرا مقتل میں اُٹھائے گا
مقتل سے علم لے کر دربار مَیں جاؤں گی

تجھ کو تو میں مقتل میں پانی نہ پلا پائی
مجلس میں ترے پیاسوں کو پانی پلاؤں گی

یہ سوچ کے سر اپنا ٹکراتی ہوں زنداں سے
جب لَوٹ کے گھر تجھ کو مَیں گھر میں نہ پاؤں گی

بازار میں جب میرے ہاتھوں میں رسن ہوگی
عابد کو میں دروں سے کس طرح بچاؤں گی

اس فرش کو ہی خالق عرش اپنا بنالے گا
مجلس کا نویدؔ ایسا مَیں فرش بچھاؤں گی

نوحہ

کسے بتائے کہ زینبؑ پہ کیا گزرتی ہے
وہ راہِ شام سے جب بے ردا گزرتی ہے

جہاں جہاں سے گزرتے ہیں اہلبیتِ نبیؐ
شکستہ پا، کُھلے سر فاطمہؑ گزرتی ہے

اسیر کہتے ہیں ہاں خاک کو ردا کر دے
کُھلے سروں کو جو چُھو کر ہوا گزرتی ہے

بلند سارے شہیدوں کے سر ہیں نیزوں پر
سفر میں پیشِ نظر کربلا گزرتی ہے

اُچھل کے ناقوں سے گرتے ہیں گود کے پالے
اسیر ماؤں پہ یہ بھی جفا گزرتی ہے

سکینہؑ سے کوئی پوچھے کہ قیدِ زنداں میں
صدا پہ کوئی نہ آئے تو کیا گزرتی ہے

سکینہؑ گر گئی ناقے سے قافلے والو
فضا میں یہ لبِ شہہؑ کی صدا گزرتی ہے

نظر ہے سارے تماشائیوں کی عابدؑ پر
کسے خبر کہ پسِ طوق کیا گزرتی ہے

نویدؔ کیا ہو بیاں حالِ عابدؑ مضطر
گلے کے طوق سے زنجیرِ پا گزرتی ہے

نوحہ

زینبؑ کی پُشت کا ہر ذُرّہ خود پُشت پہ کھایا فضہ نے
زینبؑ نے بچایا دین نبیؐ زینبؑ کو بچایا فضہ نے

صدقہ کرکے وہ تختِ حبش زہراؑ کی کنیزی میں آئی
اور زہراؑ کی نعلینوں کو ہے تاج بنایا فضہ نے

یوں اٹھتے بیٹھتے فضہ نے زہراؑ و علیؑ کی خدمت کی
اِس خدمت میں ماں کا رتبہ حسنینؑ سے پایا فضہ نے

کی جیسی حُرمت زہراؑ کی حرمت کی ویسی زینبؑ کی
زینبؑ کے قدم سے پہلے قدم اپنا نہ اُٹھایا فضہ نے

بازار میں بھی دربار میں بھی رکھا اپنے حصار میں زینبؑ کو
وعدہ جو کیا تھا زہراؑ سے وعدہ وہ نبھایا فضہ نے

جس وقت شقی ہر اک سے حرم میں پوچھ رہا تھا زینبؑ کو
آگے آ کر، اپنے پیچھے زینبؑ کو چھپایا فضہ نے

زندہ رہی جب تک شام ڈھلے معمول رہا یہ فضہ کا
سرہانے قبرِ سکینہؑ کے ہے چراغ جلایا فضہ نے

زینبؑ نے پکارا فضہ کو ماں کہہ کر ہی تا عمر نویدؔ
زینبؑ کو مگر آقا زادی کہہ کر ہی بُلایا فضہ نے

نوحہ

سر سے چادر بھی گئی گھر بھی لُٹا زینبؑ کا
بچ گیا دین مگر کچھ نہ بچا زینبؑ کا

لڑکھڑاتے ہوئے دیں نے بھی سنبھلنے کے لیے
بازو رسی سے بندھا تھام لیا زینبؑ کا

اُس کے دیں کے لیے جب اُس نے ردا بھی دے دی
دیکھتا رہ گیا زینبؑ کو خدا زینبؑ کا

ڈالنا سر پہ درِ حُجرۂ شبیرؑ کی خاک
آخری دم بھی یہی کام رہا زینبؑ کا

پوچھا صغراؑ نے یہ سجادؑ سے تنہائی میں
شام تک بھائی سفر کیسے کٹا زینبؑ کا

دم لے زنداں ابھی زینبؑ سے سکینہؑ کو نہ چھین
اور اندھیرا نہ بڑھا، دل نہ بجھا زینبؑ کا

آ کے بس حشر کے میداں میں رکے گا یہ نویدؔ
قافلہ کرب و بلا سے جو چلا زینبؑ کا

نوحہ

غازیؑ مرا کہاں ہے میں قید ہو رہی ہوں
ہر لب پہ الاماں ہے میں قید ہو رہی ہوں

بھائی کی جاں تھی مجھ میں اُس نے گلا کٹایا
بھائی میں میری جاں ہے میں قید ہو رہی ہوں

لاشے کٹے گلوں سے لبیک کہہ رہے ہیں
لب پر مرے اذاں ہے میں قید ہو رہی ہوں

سب سانس لے رہے ہیں بیمارؑ طوق میں ہے
آزاد اِک جہاں ہے، میں قید ہو رہی ہوں

جس کے حصار میں ہے وحدانیت وہ بازو
رسی کے درمیاں ہے ، میں قید ہو رہی ہوں

مقتل سے آ رہی ہیں تکبیر کی صدائیں
اک حشر کا سماں ہے میں قید ہو رہی ہوں

ہر اک نبیؑ کی محنت ہر اک ولی کی عظمت
اس قید میں نہاں ہے میں قید ہو رہی ہوں

بازو میں فاطمہؑ کے رسی یہ بندھ رہی ہے
اور سب کو یہ گماں ہے ، میں قید ہو رہی ہوں

اس دم نویدؔ ہر اک گردش رکی ہوئی ہے
سکتے میں آسماں ہے ، میں قید ہو رہی ہوں

نوحہ

ہے شام کا بازار کہاں آ گئی زینبؑ
سایہ ہے نہ دیوار کہاں آ گئی زینبؑ

کس شان سے کس شہر سے کس گھر سے چلی تھی
یہ ہو کے گرفتار کہاں آ گئی زینبؑ

ہیں اہلِ حرم قید یہاں ، سگ یہاں آزاد
کس سے کرے اظہار کہاں آ گئی زینبؑ

ہیں قہقہے ہر لب پہ ہر اک ہاتھ میں ہیں سنگ
درّوں کی ہے بوچھار کہاں آ گئی زینبؑ

بے دینوں کے مجمع میں رسن بستہ کُھلے سر
اے دین کے سردار کہاں آ گئی زینبؑ

نیزہ ہے ہر اک ہاتھ میں ہر ہاتھ میں نشتر
سب دیتے ہیں آزار کہاں آ گئی زینبؑ

اب دیکھیں نویدؔ آ کے چھپے گا کہاں باطل
کرنے کے لیے وار کہاں آ گئی زینبؑ

نوحہ

کیا دیا اُمّت نے یارب دیں بچانے کا صلہ
جو ردائیں بانٹتی ہے چھین لی اُس کی ردا

یہ گھر لے لو مرے مجھ کو طمانچے مار لو
پر مرے بابا کا خنجر سے نہ یوں کاٹو گلا

دم گھٹا ہے بس سلوکِ اُمّتِ مرحوم سے
تنگ رسّی سے نہ زنداں سے ہمارا دم گھُٹا

انبیاؑ تھامے ہوئے تھے بیڑیاں سجادؑ کی
قید ہو کر کربلا سے سارباں جس دم چلا

بس جو فرمایا نبیؐ نے وہ کہا شبیرؑ نے
بس وہی شہہؑ نے کہا ہے وہ جو زینبؑ نے کہا

دی سکینہؑ نے صدائے آخری جب بھائی کو
یہ گھڑی وہ تھی کہ عابدؑ سے نہ جب اٹھا گیا

ہے کھُلا زینبؑ کا سر اے حرمتِ توحید دیکھ
بن گئی آخر غلافِ کعبہ زینبؑ کی ردا

یادِ اکبرؑ کی سناں ایسے گڑی دل میں کہ بس
مادرِ اکبرؑ کا اک پل بھی نہ دل سے ہاتھ اٹھا

لاالہٰ شہہؑ نے بچایا دے کے اپنا سر نویدؔ
اور ردا کے بدلے زینبؑ نے بچائی کربلا

نوحہ

زینبؑ کُھلے سر آئی ہے خوشیاں نہ مناؤ
ماتم کرو بازار میں میلہ نہ لگاؤ

جاتا ہی نہیں سینے سے آزارِ رہِ شام
بھرتے نہیں بیمار کی زنجیر کے گھاؤ

بیمار مسافر ترے ورثے میں نہیں ہے
دیوار نہ آرام نہ سایہ نہ پڑاؤ

اے ظالموں سوئے گا تو کیا خیر یہ بیمار
مصروفِ عبادت ہے نہ زنجیر ہلاؤ

اے شمر، سکینہؑ پہ یہ کیا طُرفہ ستم ہے
روئے تو نہ رونے دو، نہ روئے تو رلاؤ

کیا یونہی بتاتے ہیں یہ ہوتی ہے یتیمی
للہ سکینہؑ کو طمانچے نہ لگاؤ

نوحہ لیے پُرسے کو نویدؔ آیا ہے سرکار
اے لعل قلندرؒ مری توفیق بڑھاؤ

نوحہ

زنجیریں شور مچاتی ہیں ، دربار میں بیبیاں آتی ہیں
لگتا ہے جان سے جاتی ہیں ، دربار میں بیبیاں آتی ہیں

جب آٹھ مؤذن مل مل کر بے وقت اذانیں دیتے ہیں
آنکھوں سے خون بہاتی ہیں، دربارمیں بیبیاں آتی ہیں

پھٹ جائے زمیں دھنس جائیں کہیں گر جائے فلک دب جائیں کہیں
دم گھٹتا ہے گھبراتی ہیں ، دربارمیں بیبیاں آتی ہیں

جب تخت نشیں کے ہونٹوں پر زینبؑ کا نام آجاتا ہے
غش کھاتی ہیں گر جاتی ہیں، دربارمیں بیبیاں آتی ہیں

ہیں پُشت پر اُن کے ہاتھ بندھے آنکھوں کو اپنی بند کرکے
ہر اک سے خود کو چُھپاتی ہیں، دربارمیں بیبیاں آتی ہیں

جو غیر صدا سے ناواقف ہیں نظروں میں نامحرم کی
بس زرد ہی پڑتی جاتی ہیں ، دربار میں بیبیاں آتی ہیں

تطہیر وراثت ہے جن کی یہ پردہ جن کے دم سے ہے
بالوں سے منہ کو چھپاتی ہیں، دربارمیں بیبیاں آتی ہیں

عُزیٰ و منات ولات وھُبل نرغے میں لیے تھے جس کو نویدؔ
یہ وہ توحید بچاتی ہیں، دربارمیں بیبیاں آتی ہیں

نوحہ

شبیرؑ کا وعدہ تھا نبھا لے گئی زینبؑ
تھی بات شہہؑ دیں کی بنا لے گئی زینبؑ

مقتل میں لگی قیمتِ اسلام چُکانے
سر لے کے گئے شاہ، ردا لے گئی زینبؑ

ڈھانے کے لیے سطوتِ دربارِ امیّہ
عباسؑ کے پر چم کی ہوا لے گئی زینبؑ

وہ بار کہ جو مریمؑ و سارہؑ سے نہ اُٹھا
وہ بار اکیلے ہی اُٹھا لے گئی زینبؑ

تعویذ جہاں تھا وہاں رسی کا نشاں ہے
کس سے کہے کیا لائی تھی کیا لے گئی زینبؑ

ہاتھوں سے ستم گاروں کے اے شامِ غریباں
گھر تو نہ بچا دین بچا لے گئی زینبؑ

تھا لات و منات و ہُبل و عُزیٰ کا نرغہ
توحید، نویدؔ ان سے بچا لے گئی زینبؑ

نوحہ

بے دینوں کے دربار میں لائی گئی زینبؑ
زہراؑ کی طرح ہائے ستائی گئی زینبؑ

پھر بیٹھنے اس کو نہ دیا یاد نے شہہؑ کی
یوں بھائی کے لاشے سے اُٹھائی گئی زینبؑ

کاٹا گیا بھائی کا گلا آنکھوں کے آگے
اشکوں سے نہیں خوں سے رلائی گئی زینبؑ

موت آ گئی آخر اُسے اُجڑے ہوئے گھر میں
اُجڑی تو کبھی پھر نہ بسائی گئی زینبؑ

کیا جانیے کیا چھین لیا خاک نے اُس کا
بس خاک اُڑاتے ہوئے پائی گئی زینبؑ

کیوں دے نہ تجھے تیرا خدا اپنی کمائی
ہاتھوں سے جو یہ تیری کمائی گئی زینبؑ

پوچھے گا نویدؔ اُس سے کہ کیا اُس نے لُٹایا
تجھ سے تو یہ توحید بچائی گئی زینبؑ

نوحہ

شہہؑ قتل ہوئے بڑھنے لگے شام کے سائے
زینب کہاں جائے

درّانہ عدو خیمۂ زینبؑ میں در آئے
زینب کہاں جائے
جاں سے نہ گزرجائے کہیں جاں پہ بنی ہے
یہ سوچ رہی ہے
چادر کو بچائے کہ سکینہؑ کو بچائے
زینب کہاں جائے
دامن میں سکینہؑ کے لگی آگ میں واری
خوں کانوں سے جاری
کانوں سے لہو پونچھے کہ وہ آگ بجھائے
زینب کہاں جائے

جب آخری خیمے میں لگی آگ تو سوچا
بیمار سے پوچھا
خیمے میں ہی جل جائے کہ باہر نکل آئے
زینب کہاں جائے
ظالم ہے، سکینہؑ کی کنیزی کا طلب گار
اور برسرِ دربار
ظالم سے سکینہؑ کو بھلا کیسے چھپائے
زینب کہاں جائے
حالت کا تماشائی ہے بازار کا بازار
ہے مجمعِ اشرار
پھر کیا کرے بالوں سے اگر منہ نہ چھپائے
زینب کہاں جائے
کل ہی کی تو ہے بات مہکتا تھا بھرا گھر
کیا کیا تھے گُل تر
اب بھولنے بیٹھے بھی تو کس کس کو بھلائے
زینب کہاں جائے

تکتی ہے نویدؔ اس طرح حیرت سے ہر اک در
کیا یہ ہے وہی گھر
ویرانیِ در دیکھ کے گھر کھانے کو آئے
زینب کہاں جائے

نوحہ

زینبؑ کے سر سے شام ردا لے کے جائے گی
عابدؑ کو درد دے کے ، دوا لے کے جائے گی

تھا سر پہ سایہ بھائی کا اب سر پہ خاک ہے
کیا لے کے آئی تھی یہاں کیا لے کے جائے گی

محشر کے روز شافعِ محشر کے واسطے
کُرتا بس ایک خوں میں بھرا لے کے جائے گی

اُڑ کر کُھلے سروں کی ردا بن کے جم گئی
زینبؑ سے گردِ راہ، دعا لے کے جائے گی

آنکھوں سے سوجھتا نہیں بیٹا جواب دو
لاشے تلک پدر کو صدا لے کے جائے گی

نوحہ

اُجڑ کے زینبؑ مضطر جو گھر گئی ہوگی
سفر کی خاک کھُلے سر میں بھر گئی ہوگی

سوائے دھول کے کچھ بھی نہ آیا ہوگا نظر
اُجاڑ گھر میں جہاں تک نظر گئی ہوگی

مدینے لوٹ کے دیکھا جو ہوگا صغراؑ کو
لہو سے آنکھ تو زینبؑ کی بھر گئی ہوگی

ہزار سمت سے پتھر برس گئے ہوں گے
جدھر سے زینبؑ مضطر گزر گئی ہوگی

کسی نے بیٹھنے زینبؑ کو کب دیا ہوگا
وہ اُٹھ کے لاش سے شہہؑ کی جدھر گئی ہوگی

پسر کے غم میں نہ سینے سے جس کا ہاتھ ہٹے
نہ زندہ ہوگی وہ ماں اور نہ مر گئی ہوگی

جو دانہ دانہ پروئی تھی شاہ نے تسبیح
نہ پوچھیے کہ وہ کیسے بکھر گئی ہوگی

نویدؔ ہائے وہ ماں جو گئی سرِ دربار
مگر وہ بیٹی کہ جو ننگے سر گئی ہوگی

نوحہ

بچا کے تیروں سے تجھ کو نہ لا سکی زینبؑ
کہاں یہ غم کہ نہ تُربت بنا سکی زینبؑ

میں دیکھتی رہی گردن پہ چل گیا خنجر
نہ تم بُلا سکے بھائی نہ آسکی زینبؑ

یہ حال کیا ہے کسی نے اگر سوال کیا
جوابِ حال میں بس خاک اُڑا سکی زینبؑ

اُسی کے سینے میں دم تھا اُسی گلے میں تھا زور
جو یاحسینؑ کی آواز اُٹھا سکی زینبؑ

برائے تقویٰ ہے بس یا حسینؑ کی تسبیح
کوئی بتا نہ سکا جو بتا سکی زینبؑ

خدا کی بات جو تھی بس حسینؑ نے رکھی
جو بات شاہ کی تھی بس بنا سکی زینبؑ

گری جو خاک پہ گھر آ کے صحن میں ہائے
نہ فرشِ خاک سے خود کو اُٹھا سکی زینبؑ

نویدؔ انبیاء اِس کے لیے ہیں شکر گزار
زمیں پہ فرشِ عزا جو بچھا سکی زینبؑ

نوحہ

درمیاں لاشوں کے مقتل میں کھڑی ہے زینبؑ
اِس اندھیرے میں کسے ڈھونڈ رہی ہے زینبؑ

سب کی نظریں ہیں چمکتے ہوئے خنجر کی طرف
بھائی کا خشک گلا دیکھ رہی ہے زینبؑ

شہہؑ پہ چلتے ہوئے خنجر کو بھلا کیا معلوم
کس طرح خاک پہ غش کھا کے گری ہے زینبؑ

بھائی کو چھوڑ کے مقتل سے ہو رخصت کیسے
لاش سے اُٹھی ہے پھر اُٹھ کے گری ہے زینبؑ

دن کی دھوپ آ کے گئی ، رات کی اوس آ کے گئی
سج رہا ہے ابھی دربار کھڑی ہے زینبؑ

تیرے سر سے نہ یہ نکلے گی نکلتے دم تک
تیرے بالوں میں جو یہ خاک پڑی ہے زینبؑ

دیں بچانے کو جو نکلی تھی مدینے سے نویدؔ
بچ گیا دین مگر کیسے لُٹی ہے زینبؑ

نوحہ

علیؑ کی بیٹی ہماری خاطر رسن میں بازو بندھا رہی ہے
ردا وہ اپنی لُٹا رہی ہے ہماری حُرمت بچا رہی ہے

ہے اُس کے دم سے حسینؑ کا غم ہے اُس کے دم سے غموں کا مرہم
وہ سینہ کوبی جو کر رہی ہے وہ غم کی صف جو بچھا رہی ہے

خودی بچانے، خدا بچانے، وراثتِ انبیاء بچانے
کبھی ہے بازار میں کُھلے سر کبھی وہ دربار جا رہی ہے

یہ کیا قیامت ہے ہائے ہائے وہ پشت پر تازیانے کھائے
رہیں ہم آزاد درد و غم سے وہ قیدِ زنداں اُٹھا رہی ہے

گھر اُس کا شعلوں کی زد پہ آئے ہمارے گھر تک نہ آنچ آئے
کہ گھر ہمارے رہیں سلامت بھرا گھر اپنا لُٹا رہی ہے

شریکِ کارِ حسینؑ ہے وہ چراغ شہہؑ لَو چراغ کی وہ
دیا جلانے جو آئی تھی وہ دیا جلا کے وہ جارہی ہے

ہماری کلفت پہ رونے والی ہماری غفلت پہ رونے والی
ہماری حالت پہ رونے والی لہو کے آنسو بہا رہی ہے

وہ آرہی ہے نویدؔ اب بھی گُلوئے شہؑ سے صدائے زینبؑ
وہ دشتِ کرب و بلا سے ہو کر صدائے ہل من جو آرہی ہے

نوحہ

اے نانا تیری امت سے ترا دین بچا کر لائی ہے
تری بے گھر زینبؑ آئی ہے ، بے چادر زینبؑ آئی ہے

پوچھا جو کسی نے زینبؑ سے بھائی ہے کہاں تو زینبؑ نے
اک مٹھی خاک اٹھائی ہے اور خاک ہوا میں اُڑائی ہے

بے جاں حُجرے چُپ دروازے، ساکت پردے ، بے جنبش لب
یا گھر میں ہے اک سناٹا یا زینبؑ کی تنہائی ہے

قرآن تھا جو شبیرؑ کا تن مقتل میں سُموں سے روندا گیا
جُزدان تھا جو تن کا کُرتا وہ خون میں ڈوبا لائی ہے

مقتل میں لگی تھی قیمتِ دیں بولی دیتے تھے دشمنِ دیں
اے نانا میں نے قیمتِ دیں اپنی چادر سے چُکائی ہے

تھا کس نے سوار کرایا جب زینبؑ کی سواری نکلی تھی
اے شہرِ مدینہ کہاں ہے وہ زینبؑ کی سواری آئی ہے

اُس چادر سے ہی کعبے کی حُرمت کا بنے گا غلاف نویدؔ
بھائی پر سے صدقہ کرکے جو چادر زینبؑ آئی ہے

نوحہ

گھر لوٹ کے گھر میں پہلا دیا کس طرح جلا یا زینبؑ نے
بس آہ بھری اور گُھٹ گُھٹ کر بیٹوں کو پکارا زینبؑ نے

پھر کوئی ہُوک اُٹھی دل سے پھر شامِ غریباں یاد آئی
حُجروں میں عونؑ و محمدؑ کے دیکھا جو اندھیرا زینبؑ نے

سہ میل پہ مدفنِ سرور سے مدفن ہے عونؑ و محمدؑ کا
بھائی کے سر سے بیٹوں کا یوں صدقہ اُتارا زینبؑ نے

کس طرح سے زینبؑ اور صغراؑ اک دوسرے کو پہچانیں گی
صغراؑ کے بال سفید ہوئے کیا کالا جوڑا زینبؑ نے

اک شور اُٹھا اُجڑے گھر میں ہائے اکبرؑ ہائے اصغرؑ
صغراؑ نے سنبھالا زینبؑ کو صغراؑ کو سنبھالا زینبؑ نے

غش آنے سے پہلے دونوں نے اک دوسرے کو بس تھام لیا
صغراؑ نے جو دیکھا زینبؑ کو صغراؑ کو جو دیکھا زینبؑ نے

نبیوں کی وراثت کے وارث کی امانت دار بہن تھی نویدؔ
توحید کے بار کو شانوں پر تنہا ہی اٹھایا زینبؑ نے

نوحہ

بھائی پہ گھر لُٹانے ہمشیر گھر سے نکلی
دین محمدیؐ کی تقدیر گھر سے نکلی

وہ جو خدا نے دیکھا وہ جو انبیاء نے دیکھا
وہ جو اوصیاء نے دیکھا وہ جو اولیا نے دیکھا
اُس خواب کو بچانے تعبیر گھر سے نکلی

مقتل میں خوں بہے گا جس سر سے وقتِ سجدہ
کٹ جائے گا گلا جو خنجر سے وقتِ سجدہ
بن کر وہ اُس گلے کی تقدیر گھر سے نکلی

صدقہ یہ اک بہن کا تیرے حوالے کعبہ
چاہے تو اِس ردا سے پردہ بنالے کعبہ
اپنی ردا لُٹانے تطہیر گھر سے نکلی

تیغوں کی چھاؤں میں وہ حق کی اذان دینے
سینے پہ کھانے نیزہ مقتل میں جان دینے
جیسے نبیؑ تھے ویسی تصویر گھر سے نکلی

امت نے جب بھلا دی اپنے نبیؑ کی سیرت
باطل نے جب بدل دی اسلام کی شریعت
باطل کو زیر کرنے تدبیر گھر سے نکلی

چھوڑا قرآنِ ناطق صامت کا رنگ بدلا
قرآں کے حافظوں نے قرآں کا ڈھنگ بدلا
قرآن کو بچانے تفسیر گھر سے نکلی

یہ ہے نویدؔ جس سے کرب و بلا بنے گی
یہ خاک جس کے دم سے قبلہ نما بنے گی
کرب و بلا بنانے تاثیر گھر سے نکلی

نوحہ

خود کو سنبھال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں
صدقہ نکال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں

چادر چھنے گی جس دم تب کون پاس ہوگا
قیدی بنیں گے جب ہم تب کون پاس ہوگا
مت کر سوال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں

مقتل میں کھو نہ جائیں غازی کے بعد بچے
بے حال ہو نہ جائیں غازی کے بعد بچے
رکھنا خیال زینبؑ عباسؑ جارہے ہیں

پردیس میں چھنے گی اب تیرے سر سے چادر
اب بال کھول اپنے اے بی بی اپنے سر پر
لے خاک ڈال زینبؑ عباسؑ جارہے ہیں

بچوں کے اب طمانچے اے بیبیوں لگیں گے
شامِ غریباں ہوگی خیمے بھی اب جلیں گے
وقتِ زوال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں

شہہؑ رہ گئے ہیں تنہا کوئی نہیں ہے زینبؑ
غازیؑ کے بعد شہہؑ کا کوئی نہیں ہے زینبؑ
شہہؑ کا خیال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں

غازیؑ کے گرد پھر کر آنچل کی تو ہوا دے
شانے پہ ہاتھ رکھ کر غازیؑ کو تُو دعا دے
اے پُر جلال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں

خیمے میں تھام کے دل پھر آنہ جائیں سرورؑ
سُن کر یہ بین تیرے غش کھا نہ جائیں سرورؑ
مت ہو نڈھال زینبؑ عباس جا رہے ہیں

برپا نویدؔ اس دم خیمے میں ہے وہ محشر
زینبؑ سے کہہ رہی ہیں سب بیبیاں لپٹ کر
کیا ہوگا حال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں

نوحہ

آ گیا بازارِ شام، آ گیا بازارِ شام
اپنے بابا سے سنا تھا تو نے بی بی جس کا نام

شام کے دربار میں سر ننگے جانا ہے تجھے
اور رسن بستہ وہاں خطبہ سنانا ہے تجھے
تیری ماں نے اس لیے رکھا ہے زینبؑ تیرا نام
آ گیا بازارِ شام آ گیا بازارِ شام

کھاتی ہے پتھر مگر محشر اُٹھاتی ہی نہیں
سر سے بہتا ہے لہو پر، سر اٹھاتی ہی نہیں
لب پہ ہے نادِ علیؑ اور دل میں ہے یادِ امامؑ
آ گیا بازارِ شام، آ گیا بازارِ شام

قافلے سے شور جب نزدیک تر ہونے لگا
زرد جب بیمار کا رخ سر بسر ہونے لگا
ہائے فضہ سے کیا زینبؑ نے بس اتنا کلام
آ گیا بازارِ شام، آ گیا بازارِ شام

مریم و سارہ سے افضل اس لیے ہے تیرا نام
مریم و سارہ کی راہوں میں نہ تھا ، بازارِ شام
بے ردائی نے تری تجھ کو دیا ہے یہ مقام
آ گیا بازارِ شام، آ گیا بازارِ شام

روند ڈالا تخت و تاجِ شام کو جس نے نویدؔ
اور زندہ کر دیا اسلام کو جس نے نویدؔ
جس نے سر کی شام کی منزل، اُسے شہہؑ کا سلام
آ گیا بازارِ شام، آ گیا بازارِ شام

نوحہ

کہا یہ دن نے نکل کر سفر میں ہے زینبؑ
کہا یہ رات نے ڈھل کر سفر میں ہے زینبؑ

ہیں اس کے ہاتھوں میں اک کُرتا اور دو بازو
گلوئے شاہ سے مقتل میں جو بہا تھا لہو
لہو وہ چہرے پہ مل کر سفر میں ہے زینبؑ

بندھی ہوئی وہ رسن آج بھی ہے بازو میں
وہ تازیانوں کے نیل آج بھی ہیں پہلو میں
کُھلا ہے آج بھی وہ سر سفر میں ہے زینبؑ

جگر میں تیر جو پیوست تھا جگر میں ہے
پڑی ہوئی ہے جو اب تک وہ خاک سر میں ہے
ابھی تلک یونہی بے گھر سفر میں ہے زینبؑ

وہی ہے شام کا بازار اور وہی منظر
برس رہے ہیں سروں پر اُسی طرح پتھر
اُسی طرح ہے وہ زد پر سفر میں ہے زینبؑ

نہ سر پہ سایہ لیا پھر کبھی حسینؑ کے بعد
نہ ٹھنڈا پانی پیا پھر کبھی حسینؑ کے بعد
ردا نہ اوڑھی کُھلے سر سفر میں ہے زینبؑ

جہاں میں گونجے گی ہل من کی یہ صدا جب تک
رہے گی زینبِؑ مضطر بھی بے ردا جب تک
کہ ہے شریکِ برادر سفر میں ہے زینبؑ

یہی دیا ہے اندھیرے میں روشنی کی کرن
ہے اِس دیے سے چراغِ حسینیت روشن
دیا جو ہاتھوں میں لے کر سفر میں ہے زینبؑ

ہوں تخت پر ابو طالبؑ ہو حشر کا میدان
کہ جب تلک نہ رکھی جائے عدل کی میزان
کہ جب تلک نہ ہو محشر سفر میں ہے زینبؑ

صدائے گریہ جو گریہ بڑھا رہی ہے نویدؔ
صدائے ماتمِ سرورؑ جو آرہی ہے نویدؔ
یہ کہہ رہی ہے برابر سفر میں ہے زینبؑ

نوحہ

رو کے کہہ رہی ہیں ہائے بیبیاں یاعلیؑ
بندھ رہی ہیں بازوؤں میں رسیاں یاعلیؑ

تازیانے اور پشتِ نیک خو، ہائے خاردار طوق اور گُلو
ہنس رہے ہیں دیکھ کر جسے عدو بیبیوں کی آنکھ ہے لہو لہو
پاؤں میں گڑی ہوئی ہیں بیڑیاں یاعلیؑ

صدقہ کرکے پھینکتے ہیں اہل شر خرمے ہائے جب نبیؐ کی آل پر
ہائے کیوں نہیں ہے کوئی نوحہ گر پھٹتا کیوں نہیں زمین کا جگر
ٹوٹ گرتا کیوں نہیں یہ آسماں یاعلیؑ

کوفیوں کی بے وفائی دیکھ لی شامیوں کی بے حیائی دیکھ لی
رسیوں میں ہر کلائی دیکھ لی بیبیوں کی بے ردائی دیکھ لی
کیوں نہ روئے خون ہائے سارباں یاعلیؑ

آ گیا کہاں حیا کا قافلہ یاعلیؑ و یاعلیؑ کی ہے صدا
خاک سے ہر ایک سر اَٹا ہوا بے کجاوہ بے عمامہ بے ردا
ہے اماں میں جن کی رب، ہیں بے اماں یاعلیؑ

راہ میں کہاں اُسے قرار ہے نحیف ہے ضعیف ہے نزار ہے
جس کے ایک ہاتھ میں مہار ہے جو اکیلا سب کا سوگوار ہے
طوق کا یہ وزن اور یہ ناتواں یاعلیؑ

کروٹیں بدل رہی ہے کربلا سینہ سینہ پل رہی ہے کربلا
مشعلوں میں ڈھل رہی ہے کربلا آگے آگے چل رہی ہے کربلا
رکا نہیں ہے آج بھی یہ کارواں یاعلیؑ

سجدے سے اٹھا اب اپنا سر نویدؔ شب گزر چکی ہوئی سحر نویدؔ
گریے میں ہوئی ہے شب بسر نویدؔ ہے تجھے کچھ اس کی بھی خبر نویدؔ
وِرد کر رہی ہے بس یہی زباں یاعلیؑ

نوحہ

زینبؑ نے کُھلے سر بھرے بازار کو دیکھا
بیڑی کو کبھی عابدِؑ بیمار کو دیکھا

گھبرا گئی کچھ اور بھی گھبرائی ہوئی شام
دھندلا گئی کچھ اور بھی دھندلائی ہوئی شام
جب خوں میں نہائے ہوئے راہوار کو دیکھا

یہ ہٹتے ہوئے دیکھا ہے محور سے زمیں کو
یا گھوڑے سے گرتے ہوئے دیکھا شہہِ دیں کو
یا گرتے ہوئے کعبے کی دیوار کو دیکھا

وہ جسم تھا تیروں میں کچھ اس طرح ترازو
نیزوں سے شکستہ ہوئے اِس طرح وہ پہلو
اِس پار کے ہر زخم سے اُس پار کو دیکھا

وہ طوق ہو زنجیر ہو زندان کہ دربار
وہ راہ کے پتھر ہوں کہ ہو شام کا بازار
بس شکر کے سجدے ہی میں بیمار کو دیکھا

زینبؑ نے نویدؔ آگ بھڑکتی ہوئی دیکھی
دستار وہ سب خون میں ڈوبی ہوئی دیکھی
پھر ہائے سرِ غازیؑ علمدار کو دیکھا

نوحہ

کہہ دو کوئی ہوا سے خاک اس طرح اُڑائے
کوفے کے شہریوں کو زینبؑ نظر نہ آئے

اب جم چکی سروں پر خیموں کی راکھ اُڑ کر
چادر نہیں سروں پر اب سر ہیں اور پتھر
اِن بیبیوں کے سر سے اب اُٹھ گئے ہیں سائے

سر اپنا چوبِ محمل سے مارتی ہے زینبؑ
بہتا ہے خون سر سے جاں وارتی ہے زینبؑ
نیزے پہ سر جو شہؑ کا محمل کے پاس آئے

بڑھتا ہے جب بھی کوئی خود بڑھ کے ٹوکتی ہے
ہر تازیانہ اپنے ہاتھوں پہ روکتی ہے
فضہ جو اپنے پیچھے زینبؑ کو ہے چُھپائے

دیوار و در کو صغراؑ کیا دے جواب آخر
سناٹا پوچھتا ہے کب آئیں گے مسافر
صغراؑ کا حال کیا ہے کیسے کوئی بتائے

بازو بندھا کے اپنے مقتل سے جارہی ہے
ہائے نظر جو اُس کو اک لاش آرہی ہے
کیسے نظر ہٹائے کیسے قدم اُٹھائے

یہ قرض آنسوؤں کا ہائے چُکے تو کیسے
ہے یہ نویدؔ دریا دریا رکے تو کیسے
زینبؑ کی بے ردائی سجادؑ کو رلائے

نوحہ

بھائی سے چھٹ کے بہن شام چلی جائے گی
سنگ کھاتی ہوئی ہر گام چلی جائے گی

اب نہ چادر ہے نہ شبیرؑ نہ بیعت کا سوال
کرکے اِس اُمتِ مرحومہ سے حرمت کا سوال
مبتلائے غم و آلام چلی جائے گی

استغاثائے گلو گیر کی ھَل مِن کے سوا
دین کچھ بھی نہیں شبیرؑ کی ھل من کے سوا
دے کے امت کو یہ پیغام چلی جائے گی

اپنے بیمار کو درّوں کے ستم سہتے ہوئے
دیکھتی جائے گی زخموں سے لہو بہتے ہوئے
خون روتی ہوئی وہ شام چلی جائے گی

خیمے سے رخصتِ اکبرؑ کو لیے آنکھوں میں
شہہؑ پہ چلتے ہوئے خنجر کو لیے آنکھوں میں
ساتھ لے کر کئی ہنگام چلی جائے گی

صبح کو اپنے چراغوں سے وہ روشن کرکے
رات کا اپنے ستاروں سے وہ دامن بھر کے
صبح دم آکے سرِ شام چلی جائے گی

جو کسی سے نہ جھکا سر وہ یہ جھکوائے گی
سجدہ آدمؑ کو یہ ابلیس سے کروائے گی
کرکے آغاز کا انجام چلی جائے گی

شام کا ہوش نہ کچھ فکرِ سحر ہوگی اُسے
غم میں اُجڑے ہوئے گھر کی نہ خبر ہوگی اسے
صبح کب آئے گی کب شام چلی جائے گی

شہہؑ کی مجلس کا وہ یوں فرش بچھائے گی نویدؔ
خود بھی روئے گی زمانے کو رلائے گی نویدؔ
کرکے اِس ذکر کو وہ عام چلی جائیگی

نوحہ

کُھلے سروں سے کسی کو حیا نہیں آئی
کہ سنگ آئے کہیں سے ردا نہیں آئی

اگرچہ ہوتی رہی تجھ پہ سنگ کی بوچھار
وہ راہِ شام ہو بازار ہو کہ ہو دربار
لبوں پہ تیرے مگر کب دعا نہیں آئی

کھڑے ہوئے تھے ستانے کو سب ہی راہوں میں
طمانچے آئے لگانے کو سب ہی راہوں میں
کسی نے حال ہو پوچھا وہ جا نہیں آئی

یہ جان جاتی تو آساں تھا شام کا بازار
جو موت آتی تو آساں تھا شام کا بازار
حیا کے مارے ہوؤں کو قضا نہیں آئی

بس ایک چُپ تھی زباں سارے بے زبانوں کی
کہ ہر طرف سے تھی آواز تازیانوں کی
کہ آہ کرنے کی کوئی صدا نہیں آئی

سجے ہوئے تھے ہر اک سر پہ طرّہ و دستار
رسولؐ زادی کُھلے سر تھی اور بھرا دربار
حیا کسی کو مگر اے خدا نہیں آئی

کوئی بتاؤ کہ باقی ہے اور کتنا سفر
سکینہؑ پوچھتی تھی سب سے ہر طمانچے پر
وہ راہ جس پہ گھر آتا ہے کیا نہیں آئی

نہ کُھل سکا درِ زنداں گزر گئی وہ نویدؔ
جو بچی قید تھی دَم گُھٹ کے مر گئی وہ نویدؔ
قضا کے آنے سے پہلے ہَوا نہیں آئی

نوحہ

آ گئی شامِ غریباں کہاں جائے زینبؑ
ہُوا پُر ہول بیاباں کہاں جائے زینبؑ

سورۂ حمد کی تمہید جسے تھامے ہے
یہ وہ دامن ہے کہ توحید جسے تھامے ہے
جل رہا ہے وہی داماں کہاں جائے زینبؑ

جو تبرک ہے وراثت ہے ابو طالب کی
وہ جو ترکہ ہے امانت ہے ابو طالب کی
لُٹ رہا ہے وہی ساماں کہاں جائے زینبؑ

اور ہی رنگ تھا جنگل میں جب آئی تھی یہاں
پھول ہی پھول تھے آنچل میں جب آئی تھی یہاں
ہائے اب خاک بہ داماں کہاں جائے زینبؑ

سب سے زینبؑ کو جو پیارا تھا وہ بھائی نہ بچا
رہ گئی عونؑ و محمدؑ کو بھی وہ کرکے فدا
کرنے اس درد کا درماں کہاں جائے زینبؑ

نیزے ہاتھوں میں لیے گھر میں دَر آئے ہیں عدو
آگ خیموں میں ہے اور خیموں کو گھیرے ہیں عدو
بول خاموشیِ یزداں کہاں جائے زینبؑ

مانگتی ہے وہ قضا پر نہ قضا آتی ہے
گر سکینہؑ کو بچائے تو ردا جاتی ہے
ایسے عالم میں پریشاں کہاں جائے زینبؑ

خاک پر گرتا ہے کوئی ، کوئی غش کھاتا ہے
کوئی بچہ کہیں شعلوں میں گھرا جاتا ہے
ایک ہے سب کی نگہباں کہاں جائے زینبؑ

ہائے یہ شام غریباں کہاں لے آئی نویدؔ
شب کا سناٹا ہے زینبؑ کی ہے تنہائی نویدؔ
کہنے کو حالِ پریشاں کہاں جائے زینبؑ

نوحہ

لاشہ مرے بھائی کا بکھرا ہے سرِ مقتل
ہر سمت درندے ہیں اور گونجتا ہے جنگل

جانے کی ہے تیاری مقتل سے سُوئے زنداں
ہیں طوق کے لنگر سے عابدؑ کے قدم لرزاں
ہے دور تلک صحرا اور سر پہ نہیں بادل

بس دھوپ ہی دیکھی ہے دیکھی نہ کہیں چھاؤں
رِستا ہے لہو اِن سے کیسے ہیں ترے پاؤں
شل ہوتی ہیں زنجیریں پاؤں نہیں ہوتے شَل

بابا کو سرِ مقتل سوتے ہوئے دیکھا ہے
پھوپیوں کو برہنہ سر ہوتے ہوئے دیکھا ہے
اس صبر کی منزل میں نبیوں سے ہے وہ افضل

بیٹھے تو اُٹھے کیسے اُٹھے تو چلے کیسے
باندھا ہے لعینوں نے بچی کا گلا ایسے
جب بیبیاں اُٹھتی ہیں ہو جاتی ہے وہ بے کل

کھاتی ہے نہ پیتی ہے، روتی ہے نہ سوتی ہے
جینے کی بھلا یہ بھی صورت کوئی ہوتی ہے
بس منہ تکے جاتی ہے اک ایک کا وہ ہر پل

جتنے تھے بڑے گھر کے سب کی وہ دلاری تھی
شبیرؑ کے بعد عابدؑ کو سب سے جو پیاری تھی
دفن اس کو کیا لیکن ماتھے پہ نہ آیا بل

آیا ہے یہ سر کس کا زنداں میں نویدؔ آخر
شور اُٹھا ہے یہ کیسا زنداں میں نویدؔ آخر
دم کس نے یہ توڑا ہے زندان میں ہے ہلچل

نوحہ

بازار کے منظر کو اور اپنے کھلے سر کو بھولی نہیں میں
اپنے بندھے ہاتھوں کو بیمار کے زیور کو بھولی نہیں میں

اٹھتی ہوئی آندھی کو وحشت کو بیاباں کو
چھپتے ہوئے سورج کو ، تاریکی کو میداں کو
چلتے ہوئے خنجر کو نیزے پہ ترے سر کو ،بھولی نہیں میں

لہراتے ہوئے نیزہ ہائے شمر کا وہ بڑھنا
آ آکے مرے پیچھے ہر بی بی کا وہ چھپنا
شعلوں میں گھرے گھر کو چھنتی ہوئی چادر کو،بھولی نہیں میں

جس رات میں تنہا تھی،اُس رات کے ڈھلنے کو
ٹوٹے ہوئے نیزے کو، اُس رات کے پہرے کو
بچوں کے سسکنے کو اور راکھ کے بستر کو ،بھولی نہیں میں

یاد آتا ہے اک ماں کا وہ خاک میں دھنس جانا
اور آگ کے شعلوں میں اک ماں کا جھلس جانا
جلتے ہوئے جھولے سے لپٹی ہوئی مادر کو،بھولی نہیں میں

اُن شام کی گلیوں کو جن سے کُھلے سر گزرے
جس دَر سے گُزرنے میں تھے سولہ پہر گزرے
دربار کے اُس دَر کو اور شامیوں کے شر کو،بھولی نہیں میں

فضہ کو مرا بھائی ماں کہہ کے بلاتا تھا
دم اس کا مرے بھائی کے نام پہ جاتا تھا
رتبے میں جو ماں بن کر آئی اُسی مادر کو ،بھولی نہیں میں

معصوم سکینہؑ کو بڑھتے ہوئے نیزوں کو
رستے ہوئے گالوں کو، بے رحم طمانچوں کو
رستے ہوئے کانوں کو کھینچتے ہوئے گوہر کو،بھولی نہیں میں

اک چاند تھا بدلی میں چھپتا تھا نکلتا تھا
پردہ درِ خیمہ کا اُٹھتا کبھی گرتا تھا
وہ خیمۂ لیلیٰؑ سے ہائے رخصتِ اکبرؑ کو،بھولی نہیں میں

ہے آج بھی وہ گریہ ہے آج بھی وہ زاری
ہے آج بھی پتھر کے سینے سے لہو جاری
روتے ہوئے پتھر کو پتھر پہ رکھے سر کو ،بھولی نہیں میں

آتی ہے نویدؔ اب بھی آواز یہ زینبؑ کی
ہے مجھ کو قسم صدیوں سے سوکھے ہوئے لب کی
پیاسے علی اصغرؑ کو سوکھے ہوئے ساغر کو،بھولی نہیں میں

نوحہ

ہائے صغراؑ کے لیے گردِ سفر لیجائیگی
پاس زینبؑ کے بچا کیا ہے جو گھر لے جائے گی

دم رکا جاتا ہے سینے میں کہ اکبرؑ کی جگہ
کیسے وہ اکبرؑ کے مرنے کی خبر لیجائیگی

خاک پر جس دم گرے گی کہہ کے زینبؑ یاحسینؑ
یہ صدا تو ہائے صغراؑ کا جگر لیجائیگی

لاشۂ شہہؑ سے اُٹھا کر خود کو وہ سوئے قفس
کس طرح لیجائیگی یارب مگر لیجائیگی

کچھ نہ لے جائیگی وہ پیشِ خدا محشر کے روز
ہاں بس اک کُرتا ہے جو وہ خوں میں تر لیجائیگی

کیا ملا فضہ کو زہراؑ کو دکھا نے کے لیے
تازیانوں کے نشاں بس پشت پر لیجائیگی

گھر جلا کیسے یہ صغراؑ کو دکھا نے کیلئے
ایک مٹھی راکھ کی صورت میں گھر لیجائیگی

جس جگہ تعویذ تھا رسی بندھی کیسے نویدؔ
نیل کی صورت میں رودادِ سفر لیجائیگی

نوحہ

زینبؑ کا سر برہنہ بازارِ شام آنا
سادات کیسے بھولیں اُمت کا تازیانہ

احسان ہے خدا پر احسان انبیاء پر
اپنی ردا لٹا کر توحید کا بچانا

ہاتھوں میں رسیاں تھیں رسی میں بیبیاں تھیں
ہائے وہ بیبیوںؑ کا بالوں سے منہ چھپانا

پینے کو پیاس تھی بس کھانے کو بھوک تھی بس
زنداں میں قیدیوں کا بس یہ تھا آب و دانہ

زندان میں سکینہؑ کا تھا یہی قرینہ
کھانا طمانچے رونا رونا طمانچے کھانا

بچوں کو شامیوں کا راہوں میں ظالموں کا
پانی دِکھا دکھا کر وہ خاک پر بہانا

سمجھے نویدؔ اب کچھ یہ وقت ہی ہے سب کچھ
سمٹے تو کربلا ہے پھیلے تو ہے زمانہ

نوحہ

زینبؑ کی ردا کے سائے میں غازیؑ نے علم لہرایا ہے
صدقے کے لیے ہر بی بی نے اپنا آنچل بندھوایا ہے

زینبؑ کی انگلی تھام کے ہی غازیؑ نے چلنا سیکھا ہے
زینبؑ کی اجازت سے ہی قدم سوئے میدان اٹھایا ہے

سورج بن کر اِس چاند کو بھی اپنی آغوش میں پالا ہے
اپنے سائے میں زینبؑ نے عباسؑ کو غازیؑ بنایا ہے

شہہ نے تو علم دیکر اسکو سردار کیا تھا لشکر کا
شانوں کو کٹا کر غازیؑ نے زینبؑ کا مان بڑھایا ہے

اُس رات ٹہل کر غازیؑ نے عاشور کی شب کو صُبح کیا
شب بھر زینبؑ نے اشکوں سے غازی کے علم کو سجایا ہے

زینبؑ سے ملی ہے سرداری سرورؑ سے ملی ہے علمداری
زینبؑ سے اجازت مانگی ہے سرورؑ سے علم جب پایا ہے

لاکھوں ہی لگیں گے تیر مگر یہ داغ نہ جائیگا دل سے
بتیس برس کے بھائی کا دل پر جو داغ اُٹھایا ہے

رخصت ہوا شہؑ سے وہ بھائی شبیرؑ پناہ میں تھے جس کی
اب شاہؑ کے سر پر محشر تک بس اک غربت کا سایہ ہے

اسکے بازو کی قناتوں میں توحید سلامت ہے ہر دم
جس نے شانوں کو کٹا یا ہے جس نے یہ دین بچایا ہے

محسوس ہوا ہے بس اُس کو یہ عرش بریں ہے زیرِ قدم
جس نے بھی اپنے شانوں پر غازیؑ کے علم کو اٹھایا ہے

سیراب یہ جس کے صدقے میں مخلوقِ خدا ہوتی ہے نویدؔ
یہ ساری سبیلیں ہیں اس کی جس نے دریا ٹھکرایا ہے

نوحہ

کس نے یہ دیں بچایا زینبؑ کی بات ہوگی
کس نے ہے گھر لٹایا زینبؑ کی بات ہوگی

سایہ ہے کس ردا کا جس سے یہ زندگی ہے
کس درکا یہ دیا ہے جس سے یہ روشنی ہے
کس نے دیا جلایا زینبؑ کی بات ہوگی

اپنے قدم سے بدلا عباسؑ کے قدم کو
گرنے دیا نہ کس نے میدان میں علم کو
کس نے علم اٹھایا زینبؑ کی بات ہوگی

بھائی پہ کرکے صدقہ کس نے ردا لُٹائی
کعبے یہ تیری حرمت کس نے بتا بچائی
کس نے غلاف اُڑھایا زینبؑ کی بات ہوگی

کوئی بتاؤ کوئی کیا جانتا خدا کو
توحید کو بچا کر بے آسرا خدا کو
کس نے خدا بنایا زینبؑ کی بات ہوگی

ہل من کا بوجھ جس کے کاندھوں پہ آج بھی ہے
کرب و بلا یہ جس کے شانوں پہ آج بھی ہے
کس نے یہ بار اُٹھایا زینبؑ کی بات ہوگی

کس کا یہ مرتبہ ہے یہ حوصلہ ہے آخر
کرب و بلا کو زندہ کس نے رکھا ہے آخر
کس نے علم سجایا زینبؑ کی بات ہوگی

ہر کوئی جانتا ہے کس نے خدا کو پایا
ہر کوئی مانتا ہے کس نے خدا کو پایا
کس کو خدا نے پایا زینبؑ کی بات ہوگی

ہونٹوں پہ اولیا کے ہے جو نویدؔ نوحہ
ہونٹوں پہ انبیاء کے ہے جو نویدؔ نوحہ
کس نے ہے یہ لکھایا زینبؑ کی بات ہوگی

نوحہ

قل ھُو اللہ ھُو احد زینبؑ کبریٰؑ مدد
نفسِ اللہ ھوالصمد زینبؑ کبریٰؑ مدد

جب اندھیرا شام کا پردیس میں چھانے لگا
جب سرِ شبیرؑ نیزے پر نظر آنے لگا
غش سے آنکھیں کھول کر سجادؑ نے اتنا کہا

چل رہی تھیں آندھیاں اور آسماں سب سرخ تھا
ہائے خنجر کے تلے تھا جس گھڑی شہہؑ کا گلا
دے رہی تھی یہ صدا شعلوں میں گھر کر کربلا

چھاگئی جب کربلا میں شام کی ہر سُوگھٹا
چاند سے سینے میں ہائے جس گھڑی نیزہ لگا
گر کے گھوڑے سے علیؑ اکبرؑ نے دی اُس دم صدا

چُھو رہا تھا آسماں کو جلتے خیموں کا دھواں
گھر گئی تھیں آگ کے شعلوں میں جس دم بیبیاں
ہر طرف سے عصر کا ہنگام دیتا تھا صدا

کٹ گئے بازو مگر چھوڑا نہ اُس نے حوصلہ
تیر جب اک آن کر مشکِ سکینہؑ پر لگا
تھام کر دل ہائے غازیؑ نے فقط اتنا کہا

نامِ زینبؑ جب کوئی لے اشک برساؤں نویدؔ
بس اِسی نوحے کو ساری عمر دہراؤں نویدؔ
مرتے دم بھی بس رہے میرے لبوں پر یہ صدا

نوحہ

آنکھ والے میں نے تیری کبریائی دیکھ لی
کس طرح تو نے حرم کی بے ردائی دیکھ لی

وہ تو بس شبیرؑ ہے جس نے پیالہ بھر دیا
میں نے اے تشنہ لہو تیری گدائی دیکھ لی

اے خدا بکتے ہوئے کیا تو نے دیکھا تو بتا
میں نے تو لٹتے ہوئے شہؑ کی کمائی دیکھ لی

جس کے اک سجدے نے تجھ تنہا کو یکتا کردیا
جو بڑا ہے اس کے سجدے کی بڑائی دیکھ لی

یوسف و یعقوب کا قصہ سنانے والے دیکھ
دیکھ صغریٰؑ نے جو اکبرؑ کی جدائی دیکھ لی

اے نویدؔ اب خود کو کرلے خود فراموشی میں گم
خود نمائی میں تو تُو نے جگ ہنسائی دیکھ لی

نوحہ

نہ پوچھ کرب و بلا کس طرح بسائی گئی
فلک ردا سے لہو سے زمیں بنائی گئی

سجا دیا گیا ہر ایک اشک عابدؑ کا
ردائے عرش ستاروں سے جب سجائی گئی

گُھٹا ہے شام کے زنداں میں دم سکینہؑ کا
کسے خبر یہ ہوا کس طرح چلائی گئی

بھری ہے مشکِ سکینہؑ سے پیاس اصغرؑ کی
سبیل پانی کی یہ کس طرح لگائی گئی

وہ اک دیا شبِ عاشور جو بجھایا گیا
اُسی کے صدقے میں یہ روشنی بنائی گئی

کسے خبر سرِ زینبؑ سے لی گئی چادر
احد کے پردے میں توحید جب چھپائی گئی

قسم ہے عصر کی ھل من سے لی گئی آواز
صدائے کن جو بہ روزِ ازل لگائی گئی

یہ نوحہ تب کہیں جا کر ہوا سپردِ قلم
نویدؔ آنکھ سے جب جوئے خوں بہائی گئی

نوحہ

میلا لگانے والو زینبؑ اجڑ گئی ہے
خوشیاں منانے والو زینبؑ اجڑ گئی ہے

برسانے قیدیوں پر تم پھول کیوں یہ نہ لائے
اے سنگ لانے والو زینبؑ اجڑ گئی ہے

پہلے ہی قیدیوں کے پیروں میں آبلے ہیں
کانٹے بچھانے والو زینبؑ اُجر گئی ہے

پہلے ہی قیدیوں کے سینے دُکھے ہوئے ہیں
ہنس کر رُلانے والو زینبؑ اجڑ گئی ہے

زنجیر کا یہ ماتم پرسہ ہے سیدہؑ کا
فتوے لگانے والو زینبؑ اُجڑ گئی ہے

حج کر کے حاجیوں نے مارا ہے شاہ دیں کو
کعبے کے ڈھانے والو زینبؑ اجڑ گئی ہے

نوحہ

زینبؑ سے لینے آیا اجازت جو باوفا
سر اپنا پائے زینبِؑ مضطر پہ رکھ دیا
تھامے ہوئے کمر کو یہ بولے شہِ ہدیٰ
اُٹھو بہن کہ پھول سے خوشبو ہوئی جدا
اب کھولو سر کے بال کہ ماتم کرو بپا
پکڑے ہوئے جگر کو اُٹھی بنتِ مرتضیٰ
اور دونوں ہاتھ تھام کے غازیؑ سے یہ کہا

عباسؑ تیرے ہاتھ مرے سر کی ہیں ردا اے شیر تو نہ جا
یہ ہاتھ کٹ گئے تو کرونگی ردا کا کیا اے شیر تو نہ جا

کون آئے گا بچانے کو تیروں سے بھائی کو
خنجر چلے گا جب تو کسے دونگی میں صدا

نیزہ ہر ایک ہاتھ میں ہوگا بوقتِ شام
کس کس سے اپنے سر کی بچاؤنگی میں ردا

اُس وقت کیا کرونگی جو پیاسی سکینہؑ کو
پانی دکھا دکھا کے بہائیں گے اشقیا

بھائی ہے تو کسی کا علم اور کسی کی آس
بھائی ہے میرے واسطے تو سایۂ خدا

بھائی یہ ترے ہاتھ حرم کی قنات ہیں
پردے کی ابتداء ہیں یہ پردے کی انتہاء

آئے گا خوں میں ڈوبا ہوا جب علم نویدؔ
خیمے کے در پہ گونج رہی ہوگی یہ صدا

نوحہ

جب گیارہ محرم کی ہوئی صبح نمودار
اور قافلہ چلنے کیلئے ہوگیا تیار
لاشِ شہہِ والا کے قریں آئی وہ لاچار
پھر لاش سے پتھر وہ ہٹانے لگی زنہار
گویا ہوئی پھر لاشے سے اس طرح وہ اک بار
سنتے ہو صدا کیا مِرے بھائی مِرے غمخوار
میں لُٹ گئی بھائی میں لٹ گئی بھائی

خیمے جلے سامان لٹا چھن گئی چادر
میں لٹ گئی بھائی میں لٹ گئی بھائی

یہ دیکھو رسن ہاتھوں میں ہے خاک ہے سر پر
میں لٹ گئی بھائی میں لٹ گئی بھائی

دامن میں مرے پھول تھے جب نکلی تھی گھر سے کیا کیا گل تر تھے
آئی تھی جو صحرا میں تو تھا میرا بھرا گھر
میں لٹ گئی بھائی میں لٹ گئی بھائی

آ آ کے درِ خیمہ پہ اکبرؑ کا پلٹنا،وہ پردے کا گرنا
بھولوں گی نہ وہ خیمے سے میں رخصتِ اکبرؑ
میں لٹ گئی بھائی میں لٹ گئی بھائی

بھولوں گی نہ میں حشر تلک حشر کا منظر جب چلتا تھا خنجر
دل تھام کے بس رہ گئی میں خیمے کے در پر
میں لٹ گئی بھائی میں لٹ گئی بھائی

وہ شامِ غریباں میں قیامت جو مچی تھی،میں دیکھ رہی تھی
کانوں سے سکینہؑ کے جو کھینچے گئے گوہر
میں لٹ گئی بھائی میں لٹ گئی بھائی

پوچھے گی جو صغراؑ تمہیں کیا اُس سے کہوں گی، غم کیسے سہوں گی
لاشے پہ گری کہتے ہوئے زینبؑ مضطر
میں لٹ گئی بھائی میں لٹ گئی بھائی

جب آگ لگی خیموں میں در آئے تھے شعلے باہر تھے درندے
گھبرا کے وہ خیموں سے حرم نکلے تھے باہر
میں لٹ گئی بھائی میں لٹ گئی بھائی

لگتا ہے کہ زینبؑ ہے نویدؔ آج بھی گریاں گو ہوگئیں صدیاں
ہے آج بھی نوحہ یہی زینبؑ کے لبوں پر
میں لٹ گئی بھائی میں لٹ گئی بھائی

نوحہ

ہے کون تیروں کے سوا لاشہ اُٹھانے کے لیے
ہے کون زینبؑ کے سوا یاں خاک اُڑانے کے لیے

کوئی کہو یہ پاؤں ہیں کیا ٹھوکروں کے واسطے
کوئی کہو بازو ہیں یہ کیا رسیوں کے واسطے
کوئی کہو یہ پشت ہے کیا تازیانے کے لیے

جب ایک سر نیزے پہ تھا تھی اک ردا نیزے پہ جب
تب شمر نے زینبؑ سے یہ پوچھا کہ تیرے پاس اب
ہے کیا بچانے کے لیے ہے کیا لٹانے کے لیے

کوئی کہو یہ خار ہیں اِس پیرہن کے واسطے
کوئی کہو تیرو تبر ہیں اِس بدن کے واسطے
کوئی کہو ہے یہ گلہ خنجر چلانے کے لیے

فتحِ احد کے واسطے کیا آئی تھی یہ ذوالفقار
دیں کی مدد کے واسطے کیا آئی تھی یہ ذوالفقار
یا اے علیؑ اصغرؑ تِری تربت بنانے کے لیے

مقتل ہو یا زندان ہویا راہ کا آزار ہو
یا دھوپ ہو یا اوس ہو یا شام کا بازار ہو
ہے پیاس پینے کے لیے اور بھوک کھانے کے لیے

تیری ریاضت اور کیا یا سیدہؑ یا فاطمہؑ
ہے ایک سر اور اک ردا یا سیدہؑ یا فاطمہ
ہے سرکٹا نے کے لیے چادر لٹانے کے لیے

کوئی کہو جب راہ میں سالار کھا جاتا ہے غش
کوئی کہو جب راہ میں بیمار کھا جاتا ہے غش
کیا تازیانے ہیں اُسے غش سے جگانے کے لیے

مجھ کو ملی ہے آنکھ یہ شبیرؑ کے غم کو نویدؔ
مجھ کو ملے ہیں ہاتھ یہ زینبؑ کے ماتم کو نویدؔ
مجھ کو ملی ہے یہ زباں نوحہ سنانے کے لیے

نوحہ

اے نانا زینبؑ کے لیے بازارِ شام سجایا ہے
سورج نے کبھی دیکھا نہ جسے بازار اُسے دکھلایا ہے

قائم ہے رسالتِ اے نانا قائم ہے ولایت اے نانا
قائم ہے امامت اے نانا قائم ہے ہدایت اے نانا
اسلام کے سر پر محشر تک زینبؑ کی ردا کا سایہ ہے

پوچھو تو بقا سے یہ پوچھو پوچھو تو فنا سے یہ پوچھو
پوچھو تو خدا سے یہ پوچھو زینبؑ کی ردا سے یہ پوچھو
ہے کیا جو اس نے لٹایا ہے ہے کیا جو اُس نے بچایا ہے

میں ابراہیمؑ کا خطبہ ہوں میں نوحؑ کے سیل کا لہجہ ہوں
اسے علم نہیں ہے میں کیا ہوں میں فخرِ ہیبتِ موسیٰؑ ہوں
فرعونِ عصر نے کیوں مجھ کو اپنے دربار بلایا ہے

زینبؑ نے اپنے نوحوں سے زینبؑ نے اپنے اشکوں سے
زینبؑ نے اپنے ماتم سے زینبؑ نے اپنی آہوں سے
مجلس کا فرش بچھایا ہے اس فرش کو عرش بنایا ہے

بھائی کا لہو اور میری رِدا اس میں ہی چُھپا ہے رازِ خدا
ہے کس کو خبر ہے کس کو پتہ جانے یہ بقا جانے یہ فنا
کیوں چادر میں نے لٹائی ہے کیوں بھائی نے سر کٹوایا ہے

عزیٰ و جبل جب گھیرے تھے توحید کو شام کے مقتل میں
خنجر سے اُٹھی تھی چنگاری جب آگ لگی تھی جنگل میں
اس وقت کہو کس نے آکر توحید کا بار اٹھایا ہے

کردر پہ نویدؔ اُس کے سجدہ تازہ کیا جس نے ہر نوحہ
نفسوں کو کیا جس نے طاہر سینے میں اتاری کرب و بلا
نوحے کا سبق ہے جس نے دیا یہ ماتم جس نے سکھایا ہے

نوحہ

میرے بابا کے جو گلے میں بندھیں
میرے بازو میں رسیاں ہیں وہی
میری ماں کو جو لے گئیں دربار
میرے حصے میں پیشیاں ہیں وہی

میری ماں پر جو غم پڑے لوگوں
دن پہ پڑتے تو رات ہو جاتے
میں ہوں مظلوم باپ کی زینت
مجھ پہ بھی ہائے سختیاں ہیں وہی

واں بٹھایا تھا پہرہ رونے پر
ماں کو رونے دیا نہ جی بھر کر
سُن سکو تو ہماری زنداں میں
ڈوبی ڈوبی سی سسکیاں ہیں وہی

جس طرح سے مِرے گھرانے میں
مرد جتنے ہیں سب محمدؐ ہیں
اس طرح جو مرے گھرانے کی
فاطمہؑ ہیں جو بیبیاں ہیں وہی

کربلا سے پھرے ہوئے ہیں جو
وہ کہیں ہو رہیں گے خانہ بدوش
جا رہے ہیں جو سوئے کرب و بلا
اصل میں صرف کارواں ہیں وہی

کس کو معلوم ہے بجائے فقیر
طوق و بیڑی ہے نسبتِ سجادؑ
فقر کو بخش دی گئیں ہیں جو
یہ وہی طوق بیڑیاں ہیں وہی

جن کے دل میں ہے کربلا کا وجود
جن کا سینہ ہے شام کا زنداں
جن کی آنکھوں میں اشک رہتے ہیں
وہی محرم ہیں رازداں ہیں وہی

دور محراب سے نویدؔ نکل
کر محمدؐ کی آلؑ کا ماتم
ہیں وہی سجدہ و رکوع و قیام
ہیں اقامت وہی اذاں ہیں وہی

نوحہ

پال کر زینبؑ نے سب کو کربلا تیار کی
دیں کی حُرمت پر لُٹانے کو ردا تیار کی

وہ صدا نکلی دلِ زینبؑ سے بن کر یا حسینؑ
دے کے سر شہہؑ نے جو ھل من کی صدا تیار کی

ہاں یہی زینبؑ ہے جس نے ایک سائے کی طرح
پشت پہ بھائی کے رہ کر کربلا تیار کی

آ گیا اس میں سمٹ کر سرِّ رمزِ لاالہٰ
یا حسینا کی جو زینبؑ نے صدا تیار کی

ہو سلام اُس پر کہ جس نے خوں کا ندرانہ دیا
اُمتوں کے واسطے خاکِ شفاء تیار کی

خوں بہا اُس ماں سے پُوچھ اُس کی وارث ہے وہی
جس نے بیٹے کی شہادت کو قباء تیار کی

لا الہٰ کو جس نے سرنامہ بنایا اے نویدؔ
جس نے اپنے خون سے کُن کی بناء تیار کی

نوحہ

مجھ سے لوگو علیؑ کا بدلہ لو وہ ہے زینبؑ نبیؑ کی بیٹی ہے
کلمہ پڑھ پڑھ کے سنگ مارو مجھے یہ رقیہ علیؑ کی بیٹی ہے

کھولو زینبؑ کے بازوؤں سے رسن
رسیوں سے مرا گلا باندھو
جس کو گلیوں میں تم نے کھینچا ہے
ظالموں یہ اُسی کی بیٹی ہے

ہے ہُبل کا جو توڑنے والا
اور گرائے ہیں جس نے لات و منات
جس سے عُزّیٰ کا بدلہ لینا ہے
یہ یتیمہ اُسی کی بیٹی ہے

جس نے آزاد قیدیوں کو کیا
اُس کی بیٹی کو قید کر لو تم
جس کا احسان کائنات پہ ہے
ہاں یہی اُس سخی کی بیٹی ہے

غازی عباسؑ کی بہن ہے یہ
سنگ برساؤ یا ردا کھینچو
اِس کو زندہ زمیں میں گڑنا ہے
یہ خدا کے ولی کی بیٹی ہے

تازیانوں کی زد پہ جب آئی
یہ کہا اُس نے شامیوں سے نویدؔ
جس پہ تم نے ستم کی حد توڑی
جان لو یہ اُسی کی بیٹی ہے

نوحہ

زینبؑ جدھر خدا تھا اُدھر دیکھتی رہی
کٹتے ہوئے حسینؑ کا سر دیکھتی رہی

سر کھولے دیکھتی رہی جاتے حسینؑ کو
جتنی بھی دور اُس کی نظر دیکھتی رہی

خوں ہوتے دیکھتی رہی سایہ حسینؑ کا
اُٹھتے ہوئے لہو میں بھنور دیکھتی رہی

چلتا رہا نشیب میں خنجر حسینؑ پر
خنجر کو دیکھ اپنا جگر دیکھتی رہی

بہہ بہہ کے لکھ رہا ہے لہو حرفِ لاالہٰ
بہتے ہوئے لہو کا اثر دیکھتی رہی

تھی ہر طرف سے تیروں کی بارش حسینؑ پر
تھے ہر طرف بگولے جدھر دیکھتی رہی

خنجر تھا ہائے حافظِ صامت کے ہاتھ میں
ناطق کو ہائے خون میں تر دیکھتی رہی

لگتا ہے انتظار تھا جس کا وہ آ گیا
کیوں آنکھ شہہ کی خیمے کا در دیکھتی رہی

یا دیکھتی رہی وہ برستا ہوا لہو
یا شعلوں میں گھرا ہوا گھر دیکھتی رہی

مصروفِ سیرِ عرش رہا میں جہاں نویدؔ
اِک خلق مجھ کو خاک بسر دیکھتی رہی

نوحہ

کربلا سے نہ جائے گی زینبؑ
چھوڑ کر بے کفن تیرا لاشہ
کربلا سے نہ جائے گی زینبؑ
کربلا سے نہ جائے گی زینبؑ

دھوپ کے دشت میں ہائے تنہا
چھوڑ کر خاک پر یہ جنازہ
قید میں کیسے جائے گی زینبؑ
کربلا سے نہ جائے گی زینبؑ

گھر لُٹائے کہ چادر لُٹائے
قید ہو جائے یا خاک اُڑائے
بھائی ایسا نہ پائے گی زینبؑ
کربلا سے نہ جائے گی زینبؑ

خون روئے گی آہیں بھرے گی
اب یہیں شہؑ کی مجلس کرے گی
روئے گی اور رلائے گی زینبؑ
کربلا سے نہ جائے گی زینبؑ

شہؑ کے پیاسوں کو پانی پلانے
بیٹھ کر قبرِ شہؑ کے سرہانے
عمر بھر خاک اُڑائے گی زینبؑ
کربلا سے نہ جائے گی زینبؑ

روز پھول آنسوؤں کے چڑھانے
اِک دیا ہر لحد کے سرہانے
خوں سے اپنے جلائے گی زینبؑ
کربلا سے نہ جائے گی زینبؑ

خود تو قیدِ بلا میں رہے گی
جاں مگر کربلا میں رہے گی
جائے گی پر نہ جائے گی زینبؑ
کربلا سے نہ جائے گی زینبؑ

ہوگا شام و سحر ہو گا ماتم
شہؑ نہ ہوں گے مگر ہوگا ماتم
پھر سے بستی بسائے گی زینبؑ
کربلا سے نہ جائے گی زینبؑ

بھائی اُسکا یہیں پر چھٹا ہے
گھر بھی اُسکا یہیں پر لُٹا ہے
اب یہیں گھر بنائے گی زینبؑ
کربلا سے نہ جائے گی زینبؑ

بس نویدؔ اب تو جانے ہے بیٹھی
لاشِ شہہؑ کے سرہانے ہے بیٹھی
کیسے خود کو اُٹھائے گی زینبؑ
کربلا سے نہ جائے گی زینبؑ

نوحہ

زینبؑ کی دہائی تھی میں لٹ جاؤں گی بھیا، مانجائے رے بھیا
مت جاؤ کہ پھر تم کو کہاں پاؤں گی بھیا مانجائے رے بھیا

تم خاک پہ سوؤ گے گلا اپنا کٹا کر، اسلام بچا کر
میں خاک اُڑاؤں گی جہاں جاؤنگی بھیا۔ مانجائے رے بھیا

جو شامِ غریباں میں پڑی سر پہ بکھر کے، نکلے گی نہ سر سے
میں راکھ کُھلے سر میں وہ لے جاؤں گی بھیا، مانجائے رے بھیا

اب ہائے وہ اصغرؑ کا ہمکنا بھی نہیں ہے ، جھولا بھی نہیں ہے
بتلاؤ کہ دل کس طرح بہلاؤں گی بھیا،مانجائے رے بھیا

گھر کھانے کو آئے گا جو گھر جاؤں گی بھیا، گھبراؤں گی بھیا
زنداں سے نکل کر میں کدھر جاؤں گی بھیا،مانجائے رے بھیا

گھر گھر میں ترے نام کی مجلس میں کروں گی ، جب تک بھی جیوں گی
پانی میں ہر اک پیاسے کو پلواؤں گی بھیا،مانجائے رے بھیا

جاں سے نہ گزر جائے وہ سُن کر ترا احوال، لاشہ ہوا پامال
صغرا کو میں کس طرح یہ بتلاؤں گی بھیا،مانجائے رے بھیا

کہہ کہہ کے نوید آج بھی روتی ہے وہ دکھیا، ہے ہے میرے بھیا
نیزے پہ وہ سر بھول نہیں پاؤں گی بھیا،مانجائے رے بھیا

نوحہ

گلے پہ تیرے جو خنجر رکا نہ ہائے حسینؑ
تڑپ کے خیمے سے زینبؑ نکل نہ آئے حسینؑ

مجھے بتاؤ کہ نانا کا دیں بچانے کو
ردا بھی دے چکی امت کے بخشوانے کو
بہن کے پاس بچا کیا ہے جو لُٹائے حسینؑ

خدا کی بات بنانے کو سر دیا تم نے
مرے حوالے یہ کارِ خدا کیا تم نے
دعا کرو یہ بہن کامیاب آئے حسینؑ

بہن رضا کی بھی اکبرؑ کی بھی ہے پیشِ نظر
بہن کے سامنے بھائی کا سر کٹے نہ مگر
کسی بہن کو یہ صدمہ ملے نہ ہائے حسینؑ

حسینؑ دینِ محمدؐ ہے دیں پناہ ہے گر
لہو حسینؑ کا بنیادِ لا الہٰ ہے گر
یہ لا الہٰ کا کلمہ ہے کیا بنائے حسینؑ

جو گوسفند ہو قرباں بجائے اسمٰعیلؑ
مرا سوال یہ تجھ سے ہے اے خدائے خلیل
کوئی بھی آیا نہ خنجر تلے بجائے حسینؑ

نہ اتنی دور ہو مقتل سے ہائے خیمے کا در
کہ دیکھتی ہو بہن بھائی پر چلے خنجر
کہ آ نہ پائے بہن اور بُلا نہ پائے حسینؑ

لرز رہی تھی زمیں چل رہی تھی جب آندھی
کٹے گلے سے صدا آ رہی تھی ہل من کی
صدا تھی یا لک لبیک یا صدائے حسینؑ

نویدؔ اُسی کی ہے پھر ساری کار فرمائی
نویدؔ میں یہ کہوں گا وہ ہے تماشائی
اگر خدا کو کہے کوئی ہے جُدائے حسینؑ

نوحہ

زینبؑ کو اجڑنے کا سماں یاد رہے گا
جلتے ہوئے خیموں کا دھواں یاد رہے گا

خیموں میں لگاتار وہ اُن تیروں کا آنا
بھولے گی نہ جھولے سے وہ اصغرؑ کا گرانا
جانا علی اصغرؑ کا جہاں یاد رہے گا

اُس شام کی سرخی کو نہ بھولے گی کبھی وہ
اُٹھتی ہوئی آندھی کو نہ بھولے گی کبھی وہ
سر شہؑ کا سرِ نوکِ سناں یاد رہے گا

وہ آگ کے شعلوں میں سُلگتا ہوا خِرمن
جلتا ہوا شعلوں میں سکینہؑ کا وہ دامن
بھرتا ہوا آنکھوں میں دھواں یاد رہے گا

اک یاد ہمیشہ اُسے رکھے گی گلُو گیر
بھولے گی نہ سجادؑ کے پیروں کی وہ زنجیر
گردن میں پڑا طوقِ گراں یاد رہے گا

نکلے گی نہ یہ گردِ سفر اب کبھی سر سے
یاد آئے گا بازار وہ گزرے کی جدھر سے
بازو پہ وہ رسّی کا نشاں یاد رہے گا

جب دل پہ وہ بھولے سے کبھی ہاتھ رکھے گی
سینے میں عجب درد کی اک لہر اُٹھے گی
اکبرؑ کی قسم زخمِ سناں یاد رہے گا

جس وقت سکینہؑ کو اُتارا تھا لحد میں
ہر چند کہ تاریک اندھیرا تھا لحد میں
دیکھا جو طمانچوں کا نشاں یاد رہے گا

بکھرا کے نویدؔ آہ کرے گی جو وہ یہ بال
بازار میں دیکھے گی جو سجادؑ کو بے حال
خود ہے وہ کہاں اُس کو کہاں یاد رہے گا

نوحہ

فضہؑ سے کہا شہہؑ نے درِ خیمہ پہ آ کر زینبؑ کو بلادو
رخصت کے لیے آیا ہے زخمی ہے برادر زینبؑ کو بلادو

کہنا کہ درِ خیمہ پہ توحید کھڑی ہے، مشکل میں بڑی ہے
یہ وزن اٹھالے وہ زرا کاندھوں پہ آ کر زینبؑ کو بلادو

کہنا ہے مرے بعد قبیلے کی وہ سردار، ہاشمؑ کی یہ دستار
جس سر کے لیے ہے یہ میں رکھ دوں اُسی سر پر زینبؑ کو بلادو

کہنا جو میں لایا ہوں وراثت اسے دیدوں ، آیت اسے دیدوں
اب جانا ہے رکھنا ہے مجھے تیغ تلے سر زینبؑ کو بلادو

کہنا کہ اب عاشور کا سورج ہوا خونبار، اب شام ہے تیار
آنے کو ہے اب فوجِ عدو خیموں کے اندر زینبؑ کو بلادو

کہنا ہے مرے زخم کو درماں کی ضرورت ، ہے ماں کی ضرورت
وہ اُمّ ابیہہؑ تھیں یہ ہے اُمِ برادر زینبؑ کو بلادو

کہنا کہ مرے بعد کوئی ہوگا نہ سر پر ، پھر ہوگی نہ چادر
چادر کے تلے دیکھ لوں اک بار میں وہ سر زینبؑ کو بلادو

کس وقت نویدؔ آ کے ملی بھائی سے خواہر، رخصت ہوئے سرورؑ
یہ ایک صدا گونج کے بس رہ گئی در پر زینبؑ کو بلادو

نوحہ

دیکھا ہے فلک کو زینبؑ نے پھر سورج ڈھلتے دیکھا ہے
پھر آندھی اٹھتے دیکھی ہے پھر خنجر چلتے دیکھا ہے

ہر سانس میں اپنی زینبؑ نے تلوار سی چلتے دیکھی ہے
شبیرؑ کی شہہ رگ سے ہائے پھر جان نکلتے دیکھی ہے
پھر شام نے خیمے کے در سے سایہ سا نکلتے دیکھا ہے

سجادؑ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اک سر نیزے پر
دیکھا ہے کھلے سر زینبؑ کو دیکھی ہے چادر نیزے پر
دیکھا ہے لعینوں کو آتے خیموں کو جلتے دیکھا ہے

کیا روزِ ازل کیا روز ابد آنکھوں سے سب دیکھا میں نے
زنجیروں میں جکڑے لیکن توحید کو کب دیکھا میں نے
ہاں طوق گلے میں پہنے ہوئے سجادؑ کو چلتے دیکھا ہے

آدم سے لیکر خاتم تک کرتے ہیں سب ہی عزاداری
کیسا یہ زماں کیسا یہ مکاں شبیرؑ کا ہے ماتم جاری
تابوت وہی ہے بس میں نے شانوں کو بدلتے دیکھا ہے

کیا تیرا دل تھا اے مالک تیرے سرورؑ کے سینے میں
جس نے اکبرؑ کے سینے سے جس نے اکبرؑ کے سینے میں
نیزے کو گڑتے دیکھا ہے نیزے کو نکلتے دیکھا ہے

جس وقت گلے پر سرورؑ کے تلوار چلی ہے مقتل میں
عُزیٰ و منات ولات وھبل کی چیخ اُبھری ہے مقتل میں
عزیٰ کو میں نے مقتل میں ہاتھوں کو ملتے دیکھا ہے

وہ میرے ہیں میں ان کا ہوں کرتا ہوں ذکر نویدؔ اُن کا
یہ شعر میرے میرا مصرعہ ہے اُنکا کرم ہے اُنکی عطا
بس اُنکی عطا کو ہی میں نے لفظوں میں ڈھلتے دیکھا ہے

نوحہ

قافلہ لے کے وہ سالار کدھر جائیگی
کیا کہوں ہوکے گرفتار کدھر جائیگی

ہا ئے بازاروں میں درباروں میں زندانوں میں
لے کے وہ خوں بھری دستار کدھر جائے گی

کوئی دیوار نہ سایہ نہ پڑاؤ نہ پناہ
ہوگی دڑوں کی جو بوچھار کدھر جائیگی

انبیاؑ کی ہو وارثت کہ وہ وزنِ توحید
لے کے شانے پہ وہ یہ بار کدھر جائیگی

جب کوئی رونے نہ دے گا اُسے آنکھوں سے لہو
لے کے وہ دیدۂ خونبار کدھر جائیگی

گرنہ آئیگی وہ روضے پہ نبیؑ کے اے دل
کیا ہوا کرنے کو اظہار کدھر جائیگی

شام میں گرنہ بنائے گی وہ مسکن اپنا
لے کے وہ شام کا آزار کدھر جائیگی

گر نہیں لے گی نویدؔ اپنی ردا میں زینبؑ
کربلا ہونے کو تیار کدھر جائیگی

نوحہ

یا حسینؑ اللہ اکبرؑ یا حسینؑ اللہ اکبرؑ
آ گئی زینبؑ وطن لُٹ گیا زینبؑ کا گھر

ہے دھلا جس خون میں جس میں چھپا ہے لاالہٰ
ہے وہ خوں شبیرؑ کا اور ہے وہ زینبؑ کی ردا
دیکھ دل شبیرؑ کا اور دیکھ زینبؑ کا جگر

کیا کہوں کس سے ملا ہے لا الہٰ کو یہ دوام
ہے بنائے لاالہٰ کیا اک سفر اور اک قیام
کربلا شہہؑ کا قیام اور شام زینبؑ کا سفر

اک لہو ہے اک ردا ہے ایک لا ہے اک الہٰ
ایک لَو ہے اک دیا ہے اک گلو ہے اک صدا
اک بہن ہے ایک بھائی اک موئثر اک اثر

روکتی ہے اشک آنکھوں میں مگر رکتے نہیں
وہ اٹھاتی ہے قدم لیکن قدم اُٹھتے نہیں
کیا وہ صغراؑ کیلئے لے جائے گی گردِ سفر

ساتھ اپنے گو وہ اصغرؑ کو نہ لیکر آسکی
ساتھ اپنے گو وہ اکبرؑ کو نہ لیکر آسکی
آ گئی ہے لیکے خود ہی گھر کے لُٹنے کی خبر

جن کو رو پائی نہ زینب ہائے بعدِ کربلا
ان کو روئے مصطفیٰ اور ان کو روئیں سیدہؑ
کہہ کہ رویا ہے خدا خود ہائے زینبؑ کے پسر

کیا کہوں عاشور کی شب جس جگہ تھی محوِ خواب
جاں نثارانِ حسینؑ ابن علیؑ کا اضطراب
کس طرح سے رات گزری کس طرح پھوٹی سحر

صبح کا سورج نکلنے حُر کے آنے تک نویدؔ
نیزۂ خولی پہ اک سر جگمگانے تک نویدؔ
اور کتنا کربلا کو میں کروں گا مختصر

نوحہ

خیمے میں جو آئے شہہِ دیں ہونے کو رخصت
زینبؑ سے نہ دیکھی گئی بھائی کی یہ غربت
کہنے لگے شہہؑ ہے یہ بہن وقتِ قیامت
اب وقت بہت کم ہے سنو میری وصیت
کی تم نے ہمیشہ مری ماں بن کے حفاظت
اب سونپتا ہوں تم کو میں عابدؑ کی امانت
یہ ہے تو یہ سمجھو کہ ہیں توحید و رسالت
یہ فخرِ ولایت ہے یہ ہے فخرِ امامت
ہے جلوہ گر اِس ذات میں ہی جلوۂ عصمت
پوشیدہ اسی ذات میں ہیں کثرت و وحدت
سب تیرے حوالے ہے سب تجھ کو بچانا ہے
رب تیرے حوالے ہے رب تجھ کو بچانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

عابد کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے
گھر تجھ کو لٹانا ہے سر مجھ کو کٹانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

مرے بعد کوئی گردش محور پہ نہیں ہوگی
افلاک دھواں ہوں گے شعلہ یہ زمیں ہوگی
گر فرش بچانا ہے گر عرش بچانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

مشکل ہے سفر اِس کا آساں ہے مری منزل
خود اس کی مسافت پر حیراں ہے مری منزل
اِسے خاک اڑانا ہے مجھے خوں میں نہانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

کس ہاتھ سے یہ خنجر کس ہاتھ میں آیا ہے
کس کس نے پسِ خنجر مرا خون بہایا ہے
اِس رازِ شہادت سے اِسے پردہ اٹھانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

یہ میرا جگر گوشہ ہر راز کا مالک ہے
اِس حلق بریدہ کی آواز کا مالک ہے
پر شور اذانوں میں اسے خطبہ سنانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

ہابیل سے تا برّح جو خوں میں ہیں غلطیدہ
ہر خون جو ناحق ہے مرے خوں میں ہے پوشیدہ
ہر خوں کی گواہی کو اِسے حشر میں آنا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

میں سب کی وراثت ہوں یہ میری وراثت ہے
یہ میری فصاحت ہے یہ میری بلاغت ہے
اِسے میری خموشی کو آواز بنانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

اُٹھتے ہوئے شعلے ہیں پھر شامِ غریباں ہے
پھر شام کی راہیں ہیں پھر شام کا زنداں ہے
بازار بھی آنا ہے دربار بھی آنا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑ کو بچانا ہے

اُس چاند کی بادل سے آواز نویدَ آئی
زینبؑ کو یہ مقتل سے آواز نویدَ آئی
نمرود کے شعلوں کو گلزار بنانا ہے
عابدؑ کو بچانا ہے عابدؑکو بچانا ہے

نوحہ

بازار ہے پتھر ہیں زینبؑ کا کُھلا سر ہے
ہر زخم پہ شکرانہ زینبؑ کے لبوں پر ہے

اک گریۂ خونیں کی جاتی ہی نہیں لالی
سجاد کی آنکھوں کو دیکھا ہی نہیں خالی
یا خون ہے آنکھوں میں یا شام کا منظر ہے

لٹکا درِ کوفہ پر دیکھا ہے کوئی لاشہ
کیوں چوب سے محمل کی زینبؑ نے ہے سر مارا
اے وقت لہو سے کیوں زینب کی جبیں تر ہے

یہ شورِ بکا کیا ہے ماتم کی صدا کیا ہے
توحید بچائے جو وہ کرب و بلا کیا ہے
یا ہے سرِ سرورؑ یا زینبؑ تیری چادر ہے

لے شامِ غریباں سے پرہول بیاباں تک
بازار سے کوفہ تک دربار سے زنداں تک
بے رحم طمانچے ہیں اور شاہ کی دختر ہے

ٹکراتی ہے سر اپنا جائے تو کہاں جائے
معصوم سکینہ کو غش آئے کہ موت آئے
اسکے لیے زنداں میں بس خاک کا بستر ہے

وہ قلب تھے کیسے جو جاں لے گئے سرور کی
پتھر تو وہ ہے جس نے پتھر کی حیا رکھی
اے سنگِ حلب تجھ کو کیسے کہوں پتھر ہے

جو بڑھ کے ہر اک درّہ خود پشت پہ کھاتی ہے
خود خوں میں نہاتی ہے زینبؑ کو بچاتی ہے
آگے ہیں وہی فضہ قنبر سے جو بڑھ کر ہے

کیوں ہائے حسینا کا اک شور سا اُٹھا ہے
سر غازی کا نیزے سے کیوں خاک پہ گرتا ہے
غازی کی بہن شاید بلوے میں کُھلے سر ہے

مقتل نے خدا جانے کیا چھین لیا اُسکا
اک ہاتھ کلیجے پر رہتا ہے دھرا جسکا
لگتا ہے مجھے شاید یہ مادرِ اصغر ہے

اک کرب و بلا اوّل اک کرب و بلا آخر
کہتے ہیں نویدؔ اُسکو شبیرؑ ہے جو ظاہر
اور جو پسِ پردہ ہے وہ زینبِ مضطر ہے

نوحہ

دھول اڑتی ہوئی دے رہی ہے صدا ، آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ
بے عمامہ کوئی ہے کوئی بے ردا، آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

یہ جو بجھتے چلے جارہے ہیں دیے ، بجھ کے صغرا کو بتلا رہے ہیں دیئے
اٹھ بھی اب خاک سے لے خبر در پہ جا آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

بین کے شور سے بھر گیا ہے جو گھر یہ جو بجنے لگے ہیں ہواؤں سے در
کہہ رہا ہے یہ صغرا سے بجھتا دیا آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

ڈھونڈ نے اب وہ جائے گی خود کو کدھر لے گیا تھا جو صغرا سے اُس کی خبر
کھوکے اُس کی خبر کھو کے اُس کا پتا آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

ہوگئی کربلا بچ گیا لاالہٰ کٹ گیا وہ گلا لٹ گئی وہ ردا
کرکے بہرِ خدا لا کی قیمت ادا آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

کٹ گیا تیغ سے منّیت کا گلا یوں ہوا ہائے اجرِ رسالت ادا
لے کے کُرتا رسالت کا خوں میں بھرا آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

حال صغریٰؑ کا حالت سے بے حال تھا وہ دیے جارہی تھی صدا پر صدا
کچھ سنا اے صبا کچھ سنا اے ہوا آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

گونجتی ہے نویدِ عرش پہ یہ صدا سیّدہؑ سیّدہ ، مرتضیٰؑ مرتضیٰؑ
مجتبیٰؑ ، مجتبیٰؑ ، مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

نوحہ

بھائی کی لاش سے اُٹھ کر وہ کدھر جائے گی
ہائے بس خاک اُڑائے گی جدھر جائے گی

بھائی کی لاش پہ ہی دم نہ نکل جائے گا
ہائے گھر جا کے بھی کس طرح وہ گھر جائے گی

جس گھڑی آئے گا شبیرؑ کا سر نیزے پر
وہ گھڑی آنکھ میں زینبؑ کے ٹھہر جائے گی

جائے گی لیکے وہ بازو پہ نشاں رسی کے
ہائے وہ سر میں لیے خاکِ سفر جائے گی

ہائے یہ دوری و تنہائیِ صغریٰؑ ہائے
کوئی آئے گی خبر اور نہ خبر جائے گی

جس نے صغریٰؑ کے لئے خود کو سمیٹا اب تک
ہائے صغریٰؑ کو جو دیکھے گی بکھر جائے گیا

دے کے بھائی کا تر و تازہ و پاکیزہ لہو
اے خدا تیرا پیالہ تو وہ بھر جائے گی

دل پہ زینبؑ کے لگے زخم کا کیا ہوگا نویدؔ
شام کا کیا ہے یہ آئے گی گزر جائے گی

نوحہ

بچا کے تیروں سے تجھ کو نہ لا سکی زینبؑ
کہاں یہ غم کہ نہ تربت بنا سکی زینبؑ

جو تیر کھا کے تجھے دیکھا زین سے گرتے
نہ فرشِ خاک سے خود کو اٹھا سکی زینبؑ

میں دیکھتی رہی گردن پہ چل گیا خنجر
نہ تم بُلا سکے بھائی نہ آ سکی زینبؑ

الگ یہ غم کہ مِرا سر کٹا نہ تیری جگہ
کہ تیر تیری جگہ پر نہ کھا سکی زینبؑ

حسینؑ کس لئے آئے تھے سر کٹانے کو
کوئی بتا نہ سکا جو بتا سکی زینبؑ

ردا لُٹا کے بھی حسرت یہ رہ گئی دل میں
نہ اپنے بھائی پہ کچھ بھی لُٹا سکی زینبؑ

بندھے تھے ہاتھ رسن میں سو اے غریب حسینؑ
نہ تیری لاش سے پتھر ہٹا سکی زینبؑ

تری سبیل کو جاری کرے گی تیری قسم
اگر چہ تجھ کو نہ پانی پلا سکی زینبؑ

نویدؔ ساری خدائی ہے اُس کی شکر گزار
زمیں کو فرشِ عزا جو بنا سکی زینبؑ

نوحہ

کتنے دیے بجھے ہیں تب یہ دیا جلا ہے اے شام کی مسافر
تیری ردا لُٹی ہے تو لاالہٰ بچا ہے اے شام کی مسافر

جانا پھر اُس نے وہ سب جو وہ نہ جانتا تھا
سمجھا وہ رب کا مطلب جو وہ نہ جانتا تھا
دہلیز پر جو تیری آدم نے سر رکھا ہے اے شام کی مسافر

شبیرؑ کا لہو کیا یعنی خدا کا صدقہ
توحید کیا ہے زینبؑ تیری ردا کا صدقہ
توحید بچ گئی ہے سر تیرا بے ردا ہے اے شام کی مسافر

معصومہ قم کا دکھ بھی پیشِ نظر ہے لیکن
صغریٰؑ کی بھی ضعیفی پیشِ نظر ہے لیکن
آنکھوں کے آگے تیری شہہ کا گلا کٹا ہے اے شام کی مسافر

میدانِ حشر میں جب یہ قافلہ رکے گا
زینب تری ردا کا ماتم خدا کرے گا
کرب و بلا سے تیرا جو قافلہ چلا ہے اے شام کی مسافر

بس ماتمی ہے تیرا ورنہ نویدؔ کیا ہے
کھاتا ہے تیرا صدقہ ورنہ نویدؔ کیا ہے
جو کچھ اِسے ملا ہے سب تیری ہی عطا ہے اے شام کے مسافر

نوحہ

ہے ہر طرف یہ صدا پھر اجڑ گئی زینبؑ
بجھا لحد کا دیا پھر اجڑ گئی زینبؑ

ابھی تو پچھلے اجڑنے کا غم لگا ہوا تھا
اٹھا نہ تھا ابھی فرشِ عزا بچھا ہوا تھا
یہ کیا کہ بہرِ خدا پھر اجڑ گئی زینبؑ

سپاہِ شام نے پھر اس کے گھر کو گھیر لیا
لگا کے آگ لعینوں نے در کو گھیر لیا
دھواں پھر اٹھنے لگا پھر اجڑ گئی زینبؑ

گلا حسینؑ کا واللہ کٹ گیا پھر سے
کہ آ گئی سرِ نوکِ سناں ردا پھر سے
اجڑگئی بہ خدا پھر اجڑگئی زینبؑ

ہزار حیف یہ کیا کر دیا لعینوں نے
پھر اُس کا زخم ہرا کردیا لعینوں نے
پھر اُس کو لوٹ لیا پھر اجڑ گئی زینبؑ

ٹھہر گئیں تھیں جو صدیاں لہو اُگلنے لگیں
پھر ایک بار سیہ آندھیاں سی چلنے لگیں
پھر ایک حشر اٹھا پھر اجڑگئی زینبؑ

نویدؔ رِسنے لگا زخمِ کربلا پھر سے
ہوئی ہے زینب مضطر جو بے ردا پھر سے
یہ شور پھر سے اٹھا پھر اجڑ گئی زینبؑ

نوحہ

کُل میری عبادت ہے سجدہ درِ زینبؑ کا
یعنی ہے یہ سجدہ بھی صدقہ درِ زینبؑ کا

حسرت لیے سجدے کی میں یونہی پھرا کرتا
ملتا نہ اگر مجھ کو کعبہ درِ زینبؑ کا

کم عقل زمانے نے فضہ کو نہیں سمجھا
کیا عقل میں آئے گا رتبہ درِ زینبؑ کا

صدقہ علی اکبرؑ کا جاری ہے یہ کہتا ہے
ہر صبح اذاں ہوتے کُھلنا درِ زینبؑ کا

پڑتی ہی نہیں مجھ پر یہ دُھوپ زمانے کی
پڑتا ہے جو یہ مجھ پر سایہ درِ زینبؑ کا

پرچم مرے غازی کا پہچان ہے اس درِ کی
پرچم کا پھریرا ہے پردہ در زینبؑ کا

جاروَب کشی کرکے پلکوں سے ذرا دیکھو
سورج نظر آتا ہے ذرہ درِ زینبؑ کا

ہوں ماتمی میرا تو قبلہ ہے درِ زینبؑ
شبیرؑ کا روضہ ہے قبلہ درِ زینبؑ کا

جیسے کہ مسافر کو سایہ کہیں مل جائے
ایسے ہی لگا مجھ کو ملنا درِ زینبؑ کا

ہاں اب بھی دہن میں ہے وہ ذائقہ مٹی کا
ہاں اب بھی جبیں میں ہے سجدہ درِ زینبؑ کا

رکھ آیا نویدؔ آنکھیں دہلیز پہ زینبؑ کی
دینا تھا اُسے کچھ تو صدقہ درِ زینبؑ کا

نوحہ

مقتل سے جو نکلی تو دِیا بن گئی زینبؑ
زینبؑ نہ رہی کرب و بلا بن گئی زینبؑ

گو عصر تلک تھی وہ لہو کی طرح خاموش
گونجی تو بہتّر کی صدا بن گئی زینبؑ

جس دن سے مرا کرب و بلا بن گیا کعبہ
قبلے کی قسم قبلہ نما بن گئی زینبؑ

ہر لمحہ کہے جس کو حُسینؑ اپنا ارادہ
میرے لئے وہ رازِ خدا بن گئی زینبؑ

توحید کھلے سَر تھی رِدا اپنی لُٹا کر
اسلام ترے سر کی رِدا بن گئی زینبؑ

ڈھانے کے لئے سطوتِ دربارِ اُمیہ
عباسؑ کے پرچم کی ہَوا بن گئی زینبؑ

جس نے کہیں ماتم کے لئے ہاتھ اٹھائے
اُس کے لئے خود دستِ دُعا بن گئی زینبؑ

جس دن سے نویدؔ اُس نے بچھائی صفِ ماتم
اُس دن سے شَفاعت کی بِنا بَن گئی زینبؑ

نوحہ

نہ ہوتی کربلا زندہ اگر زینب نہیں ہوتیں
خدا کیسے خدا ہوتا اگر زینبؑ نہیں ہوتیں

سہارا کون دیتا کون باہیں تھامتا یا رب
ترا دیں ٹھوکریں کھاتا اگر زینبؑ نہیں ہوتیں

نکل کر بے اماں مقتل سے یا رب عصر کا سجدہ
جھکانے سر کدھر جاتا اگر زینبؑ نہیں ہوتیں

نہیں لٹتی ردا اس کی تو ہوتا کون بے پردہ
خدایا تو کہاں چُھپتا اگر زینبؑ نہیں ہوتیں

بجھایا تھا شبِ عاشور جو سرورؑ نے خیمے میں
دیا بجھ کر نہیں جلتا اگر زینبؑ نہیں ہوتیں

ارادے کون پیہم زندہ رکھتا شاہِ والا کے
یہ قیمت کون ادا کرتا اگر زینب نہیں ہوتیں

نویدؔ اپنا خدا کرتی تو کس کو بندگی اپنی
کہ میں سجدہ کسے کرتا اگر زینبؑ نہیں ہوتیں

نوحہ

شبیرؑ کا تھا ایک ہی نوحہ تہہِ خنجر زینبؑ تری چادر
اب کون بچائے گا کہ جاتا ہے مرا سر زینبؑ تری چادر

قربانی کی میزان میں تولا گیا جس دم، کیا بیش ہے کیا کم
تب وزن میں نکلی سرِ سرورؑ کے برابر زینبؑ تری چادر

توحید کا پردہ ہے، کساء ہے، کہ ردا ہے، اب کیا کہوں کیا ہے
دستار ہے ہاشمؑ کی، ہے عمّامہء حیدرؑ، زینبؑ تری چادر

جب تیروں کی بارش سے شکستہ ہوئے پہلو، اور کٹ گئے بازو
غازیؑ نے کہا خاک پہ یہ گھوڑے سے گر کر زینبؑ تری چادر

بہہ بہہ کے لہو خاک پہ جب کرتا ہے دھمال، ہوتا ہے عجب حال
دیتا ہے صدا ہائے ہر اک زخمِ قلندرؒ زینبؑ تری چادر

اللہ کی سالاری میں ہیں آدم و خاتم، رُکتا نہیں ماتم
قرنوں سے فقط ایک ہی نوحہ ہے لبوں پر زینبؑ تری چادر

تنہائی میں صغراؑ نے جو سجادؑ سے پوچھا، یہ ضعف یہ گریہ
یک لخت لہو نے کہا آنکھوں سے چھلک کر زینبؑ تری چادر

موت آئی نویدؔ اور نہ مکمل ہوا نوحہ، مسلسل ہوا نوحہ
لکھتا رہا میں خاک سے اُٹھ کر کبھی گِر کر زینبؑ تری چادر

نوحہ

نیزوں پہ آئی کربلا ہائے شام کے بازار میں
خود اُتر آیا خدا ہائے شام کے بازار میں

کھوجتا پھرتا تھا میں ہے کون تو کیسا ہے تو
ڈھونڈتا پھرتا تھا میں قریہ بہ قریہ کو بہ کو
اے خدا تُو مِل گیا ہائے شام کے بازار میں

آئے جب زین العبأ تھا ہر طرف اک شور سا
کیا انبیاء ، کیا اولیا سب دے رہے تھے یہ صدا
زندہ خودی زندہ خدا ہائے شام کے بازار میں

جس کے ہاتھوں میں رسن تھی جس کا سر تھا بے ردا
اے خدا میرے خدا پھر شکل زینبؑ میں بتا
تُو نہ تھا تو کون تھا ہائے شام کے بازار میں

اپنی سانسیں کہہ رہا ہے جس کی سانسوں کو خدا
اپنی آنکھیں کہہ رہا ہے جس کی آنکھوں کو خدا
خون روتا ہی رہا ہائے شام کے بازار میں

کیا عمامہ کیا ردا اے گریہء زین العبؑا
لوُٹ سے ہے کیا بچا شامِ غریباں کی بتا
جو لٹانے آگیا ہائے شام کے بازار میں

لا الہٰ گر بچ گیا تھا کربلا میں اے نویدؔ
سیدِ سجادؑ سے کوئی تو یہ پوچھے نویدؔ
کیا بچانے آیا تھا ہائے شام کے بازار میں

نوحہ

ستم ہے لاشہء شہہؑ سے اُٹھائی جائے گی زینبؑ
اُٹھا کر لاش سے دَر دَر پھرائی جائے گی زینبؑ

درندے روند کر جب لاشہء شہہؑ چھوڑ جائیں گے
کفن دینے کو کیسے بے ردائی جائے گی زینبؑ

ذرا یہ تو بتا اُس کی ردا کا پھر بنے گا کیا
خدا وندا بچانے جب خدائی جائے گی زینبؑ

گلا کٹنے سے بھی شہہؑ کا نہ جب بچ پائے گی توحید
ستم یہ ہے تری چادر لُٹائی جائے گی زینبؑ

علیؑ یاد آئیں گے گلیوں میں کھنچواتے گلا اپنا
بھرے دربار میں جس وقت لائی جائے گی زینبؑ

ردا لٹنا، اُجڑنا، قید ہونا، ٹھوکریں کھانا،
مِرے مالک بتا کتنی ستائی جائے گی زینبؑ

وہ مقتل ہو کہ ہو بازار ہو دربار یا زنداں
جدھر دیکھو اُڑاتے خاک پائی جائے گی زینبؑ

کریں گی سجدہ اُس کو آسیہ و مریم و سارہ
نویدؔ اِس طرح محشر میں بلائی جائے گی زینبؑ

نوحہ

یہ وہی شام ہے یہ وہی شام ہے
ہو کے آئی تھی زینبؑ جہاں بے ردا
یہ وہی شام ہے یہ وہی شام ہے

خاک زینبؑ کے سر پر پڑی ہے جہاں
کربلا سر جھکائے کھڑی ہے جہاں
سر جھکائے کھڑے ہیں جہاں انبیاء
یہ وہی شام ہے یہ وہی شام ہے

کبریا، انبیاء اوصیا، اولیا،
جس جگہ سے کسی سے نہ گزرا گیا
جس کو زینبؑ نے تنہا فقط سر کیا
یہ وہی شام ہے یہ وہی شام ہے

جس جگہ بیبیاں ہائے سکتے میں ہیں
جس جگہ بیڑیاں ہائے سکتے میں ہیں
جس جگہ رو رہی ہے لہو کربلا
یہ وہی شام ہے یہ وہی شام ہے

دشمن آل ہے جس کی ہر اک گلی
نام لے لے کے روتے تھے جس کا علیؑ
سنگ برسے تو زینبؑ کو یاد آگیا
یہ وہی شام ہے یہ وہی شام ہے

آج بھی آرہی ہے صدائے امام
ہائے شام ہائے شام ہائے شام ہائے شام
جس سے آگے نہ عابدؑ سے بولا گیا
یہ وہی شام ہے یہ وہی شام ہے

کتنا تاریک تھا خانۂ لاالہٰ
بجھ کے جس کو سکینہؑ نے رشن کیا
جل رہا ہے جہاں آج بھی اک دیا
یہ وہی شام ہے یہ وہی شام ہے

بام و در پر ہیں غربت کے سائے جہاں
دم گھٹا تھا سکینہؑ کا ہائے جہاں
جس جگہ ایک تاریک زندان تھا
یہ وہی شام ہے یہ وہی شام ہے

جس جگہ ظلم ڈھایا گیا ہے نویدؔ
قیدیوں کو رلایا گیا ہے نویدؔ
بے کسی آج بھی دے رہی ہے صدا
یہ وہی شام ہے یہ وہی شام ہے

نوحہ

زینبؑ کی چادر اللہ اکبر، اللہ اکبر زینبؑ کی چادر
نوحہ تھا شہہؑ کا نوکِ سناں پر نوحہ تھا شہہؑ کا یہ زیرِ خنجر
زینبؑ کی چادر اللہ اکبر، اللہ اکبر زینبؑ کی چادر

شامِ غریباں روتی ہو جس کو خاکِ پریشاں روتی ہے جس کو
چشمِ بیاباں روتی ہے جس کو، خُود ذاتِ یزداں روتی ہے جس کو
روتے ہیں جس کو ہر وقت حیدرؑ روتی ہیں زہراؑ جس کو کھُلے سر
زینبؑ کی چادر اللہ اکبر، اللہ اکبر زینبؑ کی چادر

آئے ہیں آدمؑ آئے ہیں خاتمؐ، تیری رِدا کا برپا ہے ماتم
طاری ہے سب پر گریے کا عالم سینوں سے جاری ہے اک خون پیہم
کرتے ہیں ماتم دیکھو قلندرؒ، نوحہ یہی ہے سب کے لبوں پر
زینبؑ کی چادر اللہ اکبر، اللہ اکبر زینبؑ کی چادر

کہتے ہیں کٹ کر غازیؑ کے بازو کہتے ہیں کٹ کر قاسمؑ کے ابرو
کہتے ہیں بہہ کر عابدؑ کے آنسو کہتے ہیں خوں میں اکبرؑ کے گیسو
کہتا ہے بہہ کر یہ خونِ اصغرؑ لکھتا ہے ریتی پہ یہ خونِ اکبرؑ
زینبؑ کی چادر اللہ اکبر، اللہ اکبر زینبؑ کی چادر

خیمے جلانے آتے ہیں اعدا کعبے کو ڈھانے آتے ہیں اعدا
قیدی بنانے آتے ہیں اعدا در در پھرانے آتے ہیں اعدا
کہتا ہے ہائے دامن یہ جل کر کانوں سے چھن کر کہتے ہیں گوہر
زینبؑ کی چادر اللہ اکبر، اللہ اکبر زینبؑ کی چادر

آتے ہیں عابدؑ سر کو جھکائے اپنے لہو میں خود ہی نہائے
سائے سے اپنے خود کو چھپائے زخموں کو اپنے دل سے لگائے
راہوں میں جس دم آتے ہیں پتھر کہتے ہیں ہائے عابدؑ کے زیور
زینبؑ کی چادر اللہ اکبر، اللہ اکبر زینبؑ کی چادر

جس دم نوید آندھی اُٹھی تھی شہؑ کے گلے پر جس دم چھری تھی
مقتل میں ہر سو خوں کی جھڑی تھی خیمے کے در پر زینبؑ کھڑی تھی
لکھوں تو کیسے ہائے یہ منظر اُس دم یہی تھا شہؑ کے لبوں پر
زینبؑ کی چادر، اللہ اکبر، اللہ اکبر زینبؑ کی چادر

نوحہ

اذاں دے کر اقامت کو چلی تکبیر کی وارث
شہادت کی شہادت کو چلی تکبیر کی وارث

یہ زینبؑ ہے کہ ثاراللہ ہے یا کبرِ الااللہ
چُکا کر ''لاؔ'' کی قیمت کو چلی تکبیر کی وارث

یہ مانا تُو نہ تھا تلبیس کے دربار میں یارب
دکھا کر کس کی ہیبت کو چلی تکبیر کی وارث

شریعت چُپ کھڑی تھی جب طریقت چُپ کھڑی تھی جب
عیاں کر کے حقیقت کو چلی تکبیر کی وارث

سلامی ہے رسالتؐ بھی ولایتؑ بھی امامتؑ بھی
بچا کر کس کی وحدت کو چلی تکبیر کی وارث

گلا بھی کٹ چُکا ھَلِ من کا خوں بھی بہہ چکا یارب
پھر اب یہ کس کی نُصرت کو چلی تکبیر کی وارث

جو محضر نامہء مقتل میں حُر بھی آچکا یارب
بتا کس کی ہدایت کو چلی تکبیر کی وارث

اُٹھا کر ہاتھ میں شبیرؑ کا اک خوں بھرا کُرتا
بڑھا کر خوں کی قامت کو چلی تکبیر کی وارث

نویدؔ اُٹھ اور اُٹھا لے غم کی نعمت جتنا جی چاہے
لُٹا کر غم کی نعمت کو چلی تکبیرکی وارث

نوحہ

بولیں زینبؑ کہ شام جانا ہے کربلا کو مجھے بچانا ہے
اپنی چادر مجھے لٹانا ہے کربلا کو مجھے بچانا ہے

خون میں ڈوبی کربلا کی قسم غربتِ شاہِ نینوا کی قسم
اپنی چھنتی ہوئی ردا کی قسم سیدہؑ کی قسم خدا کی قسم
کو بہ کو مجھ کو خاک اڑانا ہے کربلا کو مجھے بچانا ہے

یعنی تعمیرِ کربلا کے لیے یعنی تعبیرِ کربلا کے لیے
یعنی تفسیرِ کربلا کے لیے یعنی تشہیرِ کربلا کے لیے
بازوؤں میں رسن بندھانا ہے کربلا کو مجھے بچانا ہے

جس کے اندر فنا سما جائے جس کے اندر بقا سما جائے
جس میں یہ لا الٰہ سما جائے جس میں یہ کربلا سما جائے
وقت کا دائرہ بڑھانا ہے کربلا کو مجھے بچانا ہے

ابتدا کی ہر ابتدا کے لیے دہر میں گونجتی صدا کے لیے
انبیاء کے لیے خدا کے لیے وسعتِ فکرِ کربلا کے لیے
فرشِ مجلس مجھے بچھانا ہے کربلا کو مُجھے بچانا ہے

کون ہے جو فلک کا پایا ہے کون ہے خلق پر جو سایہ ہے
کون ہے جس نے سَر کٹایا ہے کون ہے خوں میں جو نہایا ہے
کون ہے وہ مجھے بتانا ہے کربلا کو مُجھے بچانا ہے

جو لہو شاہ کے گُلو سے بہا جو لہو زخمِ رنگ و بو سے بہا
جو لہو حلقِ ماء و تُو سے بہا جو لہو کُن کی ہر نمو سے بہا
اُس لہو سے دیا جلانا ہے کربلا کو مُجھے بچانا ہے

یہی آواز آ رہی ہے نویدؔ یہی نوحہ سنا رہی ہے نویدؔ
یہی رستا دکھا رہی ہے نویدؔ یہی قبلہ بتا رہی ہے نویدؔ
اِس صدا میں صدا ملانا ہے کربلا کو مُجھے بچانا ہے

نوحہ

بچا کے تیروں سے تجھ کو نہ لا سکی زینبؑ
کہاں یہ غم کہ نہ تربت بنا سکی زینبؑ

میں دیکھتی رہی گردن پہ چل گیا خنجر
نہ تم بُلا سکے بھائی نہ آ سکی زینبؑ

جو تیر کھا کے تجھے دیکھا زین سے گرتے
نہ فرش خاک سے خود کو اٹھا سکی زینبؑ

ردا لٹا کے بھی حسرت یہ رہ گئی دل میں
نہ اپنے بھائی پہ کچھ بھی لٹا سکی زینبؑ

حسینؑ کس لیے آئے تھے سر کٹانے کو
کوئی بتا نہ سکا جو بتا سکی زینبؑ

بندھے تھے ہاتھ رسن میں سو اے غریب حسینؑ
نہ تیری لاش سے پتھر ہٹا سکی زینبؑ

الگ یہ غم کہ مرا سر کٹا نہ تیری جگہ
کہ تیر تیری جگہ پر نہ کھا سکی زینبؑ

تری سبیل کو جاری کرے گی تیری قسم
اگر چہ تجھ کو نہ پانی پلا سکی زینبؑ

نویدؔ ساری خدائی ہے اُس کی شکر گزار
زمیں کو فرشِ عزاء جو بنا سکی زینبؑ

نوحہ

کہیں نہیں ہے سفر میں قیام زینبؑ کو
ابھی تو جانا ہے مقتل سے شام زینبؑ کو

لٹا کے اپنی کمائی جو پہنچی اُس کے حضور
بچا کے اس کی خدائی جو پہنچی اُس کے حضور
خدا نے پیش کیا اپنا جام زینبؑ کو

فنا کے سیل میں زینبؑ کا بین رہ جائے
خدا کا چہرہ لیے یا حسینؑ رہ جائے
اِسی سبب سے ملا ہے دوام زینبؑ کو

ازل ابد کے تسلسل میں چاہے دن ہو کہ رات
ہر اک زمانے میں کرنا فقط حسینؑ کی بات
نہیں ہے اِس کے سوا کوئی کام زینبؑ کو

ورائے ارض و سما راستا نکالنا ہے
حدودِ وقت سے یہ قافلہ نکالنا ہے
سو دے رہے ہیں قیادت امام زینبؑ کو

جو دیکھا صغراؑ کو تو کھو دیے حواس تمام
وہ پوچھتی بھی تو صغراؑ سے کیسے اُس کا نام
کہ خود نہ یاد رہا اپنا نام زینبؑ کو

رُخِ حسینؑ کو تابندہ کر دیا ہے نویدؔ
خدا کو اُس نے جو پائندہ کر دیا ہے نویدؔ
یہ خوں کا پرسہ ہے یعنی سلام زینبؑ کو

ہائے صغریٰؑ

خاکِ پائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

نوحہ

مسافروں میں نہیں ہے جو نام صغریٰؑ کا
خبر سے زرد ہے چہرہ تمام صغریٰؑ کا

یہ التجا ہے اٹھا کر لرزتے ہاتھوں کو
کہ ہے یہ آخری شہؑ کو سلام صغریٰؑ کا

مجھے سواریِ فضہ میں ہی بٹھا دیجے
تھا ہاتھ جوڑ کے شہؑ سے کلام صغریٰؑ کا

وہ درد ہے کہ بدن زرد ہے جبیں ہے سرد
سفر سے سخت ہے شاید قیام صغریٰؑ کا

گُزار لیتی ہے وہ انتظارِ شام میں دن
نہیں گزرتا مگر وقتِ شام صغریٰؑ کا

دیے جلانا جلا کر منڈیر پر رکھنا
ہوا کی منتیں کرنا ہے کام صغریٰؑ کا

وہ حالِ زار تھا زینبؑ نے بھی نہ پہچانا
وہ پوچھتی رہی صغراؑ سے نام صغریٰؑ کا

جو پوچھا کس پہ مصیبت ہوئی تمام نویدؔ
تو آ گیا لبِ عابدؑ پہ نام صغریٰؑ کا

نوحہ

محرم آ گیا اب تک علی اکبرؑ نہیں آئے
جو دیکھا چاند صغریٰؑ نے کہا دل تھام کر ہائے

کوئی تو آئے دم سینے میں اٹکا ہے مرے بھائی
خبر آئے کہ تم آؤ کہ نیند آئے کہ موت آئے

تکے جاتی ہے رستا ایک ٹُک دہلیز پر بیٹھے
ہوا آئے کہ گرد آئے کہ ابر آئے کہ دھوپ آئے

طبیعت گھر میں گھبرائی تو اُٹھ کر در پہ آ بیٹھی
کہاں جائے وہ اُٹھ کر اب اگر دل اُس کا گھبرائے

کوئی آتا ہے دروازہ کُھلا رکھنے سے اے صغریٰؑ
نہیں آتا کوئی دل کو ترے یہ کون سمجھائے

ہوا سے خاک اُڑتے سب کے حجرے دیکھ کر ویراں
کرے کیا گر وہ دیواروں سے اپنا سر نہ ٹکرائے

جو پہنچا نامہ بر خط لے کے صغریٰؑ کا تو کب پہنچا
پڑے تھے دل کو پکڑے خاک پر اکبرؑ سناں کھائے

نویدؔ اُس کے لبوں پر بس یہی نوحہ تھا اے بھائی
کیا تھا وعدہ آنے کا نہ صبح آئے نہ شام آئے

نوحہ

ڈیوڑھی پر اک شمع جلائے صغرا در پر بیٹھی ہے
آنا تھا جن کو نہیں آئے، صغرا در پر بیٹھی ہے

دور تلک خالی ہے رستہ حدِّ نظر تک اُڑتی دھول
لب ساکت آنکھیں پتھرائے صغرا در پر بیٹھی ہے

اُس کے تن پر سے جاتی ہے ساری دھوپ اور ساری اوس
دن نکلے یا رات آجائے صغرا در پر بیٹھی ہے

یا پلکوں کے بیچ اُٹھا کر آنکھیں رستا لے آئیں
یا آنکھیں رستہ لے جائے صغرا در پر بیٹھی ہے

بند کرے دروازہ کیونکر جانے کب آجائیں اکبرؑ
جانے کیوں اکبرؑ نہیں آئے صغرا در پر بیٹھی ہے

اٹھتے اٹھتے گرد میں ہائے صورت سے تصویر ہوئی
سب کی یاد میں خود کو بھلائے صغرؑا در پر بیٹھی ہے

اُس کو کیا معلوم کہ اُن پر کیا جنگل میں بیت گئی
اُن کو کیا معلوم کہ ہائے صغرؑا در پر بیٹھی ہے

جس کا رستہ دیکھ رہی ہے جانے آئے نہ آئے نویدؔ
بیٹھے بیٹھے مر ہی نہ جائے صغرؑا در پر بیٹھی ہے

نوحہ

حال صغریٰؑ کا وہ تھا چاند سے دیکھا نہ گیا
اُس سے پوچھا نہ گیا اِس سے بتایا نہ گیا

ہائے صغریٰ ؑ نے دیے کتنے جلائے لیکن
در و دیوار سے ویرانی کا سایہ نہ گیا

اُدھر اکبرؑ کے سناں دل میں گڑی اور وہ اِدھر
گری دہلیز پہ اِس طرح کے اٹھا نہ گیا

صبح کیا آئی کہ پھر خاک اڑائی نہ گئی
شام کیا آئی کہ سر خاک پہ مارا نہ گیا

چاند، دہلیز، دیا، وعدۂ اکبرؑ ،امید
اس سے آگے دلِ بیمار سے سوچا نہ گیا

ہائے ویرانی سے تنہائی سے سناٹے سے
دلِ صغریٰ ؑ کو کسی سے بھی سنبھالا نہ گیا

گھر میں پھیلی ہوئی کچھ ایسی اداسی تھی کہ بس
دن سے ٹھہرا نہ گیا شام سے گزرا نہ گیا

مر گئی وہ کہ ہے غش میں کہ ہے سکتے میں نویدؔ
گھر کے سناٹے سے بھی راز یہ کھولا نہ گیا

نوحہ

کسی طرح نہیں آتا قرار صغریٰؑ کو
مِلا تو کیسا مِلا انتظار صغریٰؑ کو

وہ قافلہ تو کہیں دشتِ گم میں ہو گیا گم
ملا تو قافلے کا بس غبار صغریٰؑ کو

کہے تو کس سے کہے دل کی کیفیت کا حال
ہیں ایک جیسے خزاں و بہار صغریٰؑ کو

اٹھائے اُٹھے نہ سجادؑ ناتواں سے بھی
جو غم ملا ہے نجف و نزار صغرائؑ کو

پکارتا رہا صغریٰؑ کو گھر کا سناٹا
صدائیں دیتا رہا بار بار صغریٰؑ کو

وہ جس کو لے گئے صغریٰ کی گود سے شہہِ دیں
مِلا دے اُس سے کوئی ایک بار صغریٰ کو

نویدؔ تجھ سے نہ کاٹے کٹے گی تنہائی
گزارنا ہے جو یہ دکھ پکار صغریٰ کو

نوحہ

گھر میں موت کا سناٹا ہے بس اک صغرا زندہ ہے
یا ہے دیا دہلیز پہ روشن یا اک سایہ زندہ ہے

اک آہٹ پر کان دھرے ہے سارے گھر کی تنہائی
بس آنکھوں میں جان ہے باقی یا دروازہ زندہ ہے

خاک اُڑتے خالی حجروں میں اک ویرانی پھیلی ہے
یا خاموشی چیخ رہی ہے یا سناٹا زندہ ہے

زِرد حویلی کے حجروں میں اک اُمید کا منظر ہے
بجھتے ہوئے اک دیے کی لَو ہے اور اک چہرہ زندہ ہے

سارے گھر کو ایک اُداسی ہر جانب سے گھیرے ہے
بس اک صغرؑا زندہ ہے پر صغرؑا بھی کیا زندہ ہے

سارے گھر میں گئے ہوؤں کے چلتے پھرتے سائے ہیں
اور گھر کی دہلیز پہ بیٹھی صغراؑ تنہا زندہ ہے

جس رستے سے آنے والے گھر کو لوٹ کے آئیں گے
در پہ لگی ویراں آنکھوں میں بس وہ رستہ زندہ ہے

دل کے دھڑکنے سے آتی ہے ماتم کی آواز نویدؔ
کانپتے ہونٹوں کی جنبش میں بس اک نوحہ زندہ ہے

نوحہ

ہائے صغرؑا کتنی ہے اکیلی ویران حویلی میں
سرمارتی ہے دیواروں سے رہتی ہے اکیلی ویران حوالی میں

سناٹا بھرے گھر کی جب یاد دلاتا ہے
جینے کی دعا دیکر سب کو مرتی ہے اکیلی ویران حویلی میں

تصویر بنی شب بھر تکتی ہے دیے کی لو
سونے آنگن میں سارا دن پھرتی ہے اکیلی ویران حویلی میں

بچھڑے ہوئے لوگوں کے پھرتے ہوئے سائے ہیں
سناٹے کی آوازوں کو سنتی ہے اکیلی ویران حویلی میں

اُجڑا کوئی مقتل میں اجڑا کوئی زنداں میں
اُجڑے تو سبھی لیکن صغرؑا اجڑی ہے اکیلی ویران حویلی میں

عاشور کی شب زینبؑ یہ پوچھتی تھی شہہؑ سے
اکبرؑ کی بہن یعنی صغرؑا کیسی ہے اکیلی ویران حویلی میں

ہر ایک کے ہجرے میں کرتی ہے دیا روشن
جب شام اترتی ہے ہائے جلتی ہے اکیلی ویران حویلی میں

کیا جانے مرا کنبہ بھوکا ہے کہ پیاسا ہے
یہ سوچ کے وہ بھوکی پیاسی رہتی ہے اکیلی ویران حویلی میں

کیا صبح نویدؔ اسکی کیا شام نویدؔ اُسکی
جیتی ہے نہ مرتی ہے ہائے کتنی ہے اکیلی ویران حویلی میں

نوحہ

صغرؑا اکیلے گھر میں اکبرؑ کو رو رہی ہے
گھر بھر کو یاد کرکے گھر بھر کو رو رہی ہے

کرب و بلا میں شاید یہ وقتِ فجر ہوگا
اللہ ھُو کہہ کے صغرا اکبر کو روہی رہی ہے

کرب و بلا میں شاید یہ وقتِ ظہر ہوگا
وہ پیاس یاد کرکے اصغر کو رو رہی ہے

کرب و بلا میں شاید یہ وقتِ عصر ہوگا
بابا کو یاد کرکے خنجر کو رو رہی ہے

کرب و بلا میں شاید مغرب کا وقت ہوگا
زینبؑ کو یاد کرکے چادر کو رو رہی ہے

کرب و بلا میں شاید وقتِ عشاء یہ ہوگا
ہائے سکینہؑ کہہ کر گوہر کو رو رہی ہے

اِس وقت ہوش کب ہے اُس کو نویدؔ اپنا
اک فرد یاد کرکے لشکر کو رو رہی ہے

نوحہ

صغراؑ آہیں بھرتی رہ گئی اکبرؑ اکبرؑ کرتی رہ گئی
ٹوٹ کے اکبر کے سینے میں دور کہیں اِک برچھی رہ گئی

اکبرؑ کے جانے سے لیکر اپنی موت کے آنے تک
خالی خالی آنکھوں سے وہ بس دروازہ تکتی رہ گئی

خاک اڑتے خالی حجروں میں اک ویرانی پھیلی تھی
اُس ویرانی میں وہ اُڑتی دھول میں ہائے اٹتی رہ گئی

بے دستک ہی سارے موسم دروازے پر بیت گئے
جیسے بیٹھی تھی وہ ہائے ویسی ہی وہ بیٹھی رہ گئی

یاد میں جانے والوں کی وہ دن گزرے اور شام ڈھلے
سورج سورج جلتی رہ گئی تارہ تارہ بجھتی رہ گئی

جانے اُس کو موت آئی   یا جانے اکبر یاد آئے
گونج کے ہائے سناٹے ہیں اِک دھیمی سے ہچکی رہ گئی

بہنے والے ہر آنسو میں ہر اک چہرہ زندہ تھا
آئے نہ لوٹ کے آنے والے رونے والی روتی رہ گئی

زرد مکاں کے ہجروں میں بس شور بھرا سناٹا تھا
خالی گھر میں جانے والوں کی آوازیں سنتی رہ گئی

قتل ہوئے جو بھوکے پیاسے اُن کو کیا معلوم نویدؔ
یادمیں بھوکے پیاسوں کی وہ بھوکی پیاسی مرتی رہ گئی

نوحہ

ہائے صغرؑا کے لیے گردِ سفر لیجائیگی
پاس زینبؑ کے بچا کیا ہے جو گھر لے جائے گی

دم رکا جاتا ہے سینے میں کہ اکبرؑ کی جگہ
کیسے وہ اکبرؑ کے مرنے کی خبر لیجائیگی

خاک پر جس دم گرے گی کہہ کے زینبؑ یاحسینؑ
یہ صدا تو ہائے صغرؑا کا جگر لیجائیگی

لاشۂ شہہؑ سے اُٹھا کر خود کو وہ سوئے قفس
کس طرح لیجائیگی یارب مگر لیجائیگی

کچھ نہ لے جائیگی وہ پیشِ خدا محشر کے روز
ہاں بس اک کُرتا ہے جو وہ خوں میں تر لیجائیگی

کیا ملا فضہ کو زہرؑا کو دکھا نے کے لیے
تازیانوں کے نشاں بس پشت پر لیجائیگی

گھر جلا کیسے یہ صغرؑا کو دکھا نے کیلئے
ایک مٹھی راکھ کی صورت میں گھر لیجائیگی

جس جگہ تعویز تھا رسی بندھی کیسے نویدؔ
نیل کی صورت میں رودادِ سفر لیجائیگی

نوحہ

دھول اڑتی ہوئی دے رہی ہے صدا ، آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ
بے عمامہ کوئی ہے کوئی بے ردا، آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

یہ جو بجھتے چلے جارہے ہیں دیے ، بجھ کے صغرا کو بتلا رہے ہیں دیے
اٹھ بھی اب خاک سے لے خبر در پہ جا آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

بین کے شور سے بھر گیا ہے جو گھر یہ جو بجنے لگے ہیں ہواؤں سے در
کہہ رہا ہے یہ صغرا سے بجھتا دیا آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

ڈھونڈ نے اب وہ جائے گی خود کو کدھر لے گیا تھا جو صغرا سے اُس کی خبر
کھوکے اُس کی خبر کھو کے اُس کا پتا آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

ہوگئی کربلا بچ گیا لاالہٰ کٹ گیا وہ گلا لٹ گئی وہ ردا
کرکے بہرِ خدا لا کی قیمت ادا آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

کٹ گیا تیغ سے منّیت کا گلا یوں ہوا ہائے اجرِ رسالت ادا
لے کے کُرتا رسالت کا خوں میں بھرا آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

حال صغریٰ کا حالت سے بے حال تھا وہ دیے جارہی تھی صدا پر صدا
کچھ سنا اے صبا کچھ سنا اے ہوا آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

گونجتی ہے نویدؔ عرش پہ یہ صدا سیّدہؑ سیّدہ ، مرتضیٰؑ مرتضیٰؑ
مجتبیٰؑ مجتبیٰؑ، مصطفیؐ مصطفیؐ آ گیا قافلہ آ گیا قافلہ

نوحہ

ہائے صغراؑ کو بھرے گھر کی جو یاد آتی ہے
خود سے گھبرا کے وہ دہلیز پہ آجاتی ہے

یاد آجاتا ہے پھر وعدۂ اکبرؑ اُس کو
چاند پر جب بھی کبھی اُس کی نظر جاتی ہے

برچھی اکبرؑ کے کلیجے پہ جو لگتی ہے اُدھر
آنکھ صغرا کی اِدھر خون سے بھر جاتی ہے

کچھ لرزتے ہوئے سائے سے نظر آتے ہیں
خالی حجروں کی طرف جب بھی نظر جاتی ہے

خاک اڑتی ہے جو بکھرے ہوئے سناٹے میں
خاک کی تہہ سے کوئی شکل اُبھر آتی ہے

یاد آتا ہے جو اصغرؑ کا ہمکنا اُس کو
سر وہ بے ساختہ دیواروں سے ٹکراتی ہے

یاد آتی ہے بھرے گھر کی اُسے جب بھی نویدؔ
بیٹھے بیٹھے وہ بہت دُور نکل جاتی ہے

نوحہ

اکبر کا یہ چہرہ ہے یا چاند محرّم کا
اے شام یہ دل تھامے تکتی ہے کسے صغراؑ

اک حجرے سے اک حجرہ، اک گوشے سے اک گوشہ
کھینچے لیے پھرتا ہے تنہائی کو سناٹا

اکبرؑ کی سناؤں کیا صغراؑ کی سناؤں کیا
اک سینے میں برچھی ہے اک سینے میں سناٹا

جب سوچنے بیٹھا میں تنہائی میں تنہائی
کوئی نہیں یاد آیا یاد آئی بس اک صغراؑ

یاد آئی جو تنہائی اِس زور سے دل دھڑکا
سارا ہی لہو دل کا آنکھوں میں سمٹ آیا

صغرا کی نگاہوں سے دیکھے تو کوئی اِس کو
اُترے کہ چڑھے ہائے یہ چاند ہے اِک جیسا

کُھلتا ہی نہیں ایسے پیوست ہوئے دونوں
دروازہ کہ آنکھیں ہیں، آنکھیں ہیں کہ دروازہ

تنہائی نویدؔ اُس کو تنہائی میں چھوڑ آئی
لینے کسے آنا تھا اُس کو کہاں جانا تھا

نوحہ

کس کے لیے صغرؑا نے دیے اتنے جلائے
مَوت آ گئی لینے اُسے اکبرؑ نہیں آئے

حالت ہی وہ ہے حال میں لائی نہیں جاتی
ویرانی چُھپائے سے چُھپائی نہیں جاتی
وہ خاک اُڑائے بھی تو اب کتنی اُڑائے

لَو شمع کی خاموش ہے پُروائی بھی خاموش
سنّاٹا بھی خاموش ہے تنہائی بھی خاموش
اِک شور ہے خاموشی کا جس گوشے میں جائے

صغرؑا کے سوا مَوت کی خاموشی ہے گھر میں
اک دھول ہے سنّاٹا ہے ویرانی ہے گھر میں
آواز کسے دے وہ کسے پاس بُلائے

خود اپنے ہی سناٹے میں گم ہو گئی صغرؑا
کس طرح ملے خود کو کہیں کھو گئی صغرؑا
کوئی تو اُسے اُس کے لیے ڈھونڈکے لائے

جل جل کے یقیں اُس کا گماں ہو گیا سارا
خوں جتنا رگوں میں تھا دھواں ہو گیا سارا
بتلاؤ کہ خوں سے وہ دیے کتنے جلائے

سنّاٹا ہے سو اپنی ہی خاموشی میں گم ہے
ویرانی ہے سو اپنی ہی ویرانی میں گم ہے
جب گھٹنے لگے دَم تو کسے حال سُنائے

ہے اُڑتی ہوئی دھول نویدؔ اس کی سہیلی
بس وہ ہے اور اُجڑی ہوئی ویران حویلی
اُکتائے کہ غش کھائے وہ گھبرائے کہ مر جائے

نوحہ

اِک حالت کے دو قیدی ہیں اک ہے سکینہؑ اک صغراؑ ہے
ایک حویلی میں ہے اکیلی اک زندان میں تنہا ہے

ایک مقیّد زنداں میں ہے اِک محبوس حویلی میں
اک کو ملی خاموشی ہے اور اِک کو ملا سنّاٹا ہے

ایک کو حسرت راہ میں گھر کی ایک کو حسرت گھر سے سفر کی
ایک کا گھر ہے صحرا میں اورایک کے گھر میں صحرا ہے

ایک کا سر مٹی میں اَٹا اور ایک کے سر میں خاک جمی ہے
ایک کا دم سینے میں گُھٹا ہے ایک کو حبس نے مارا ہے

ایک اسیرِ شامِ غریباں ایک ہے ہجر کی ماری ہوئی
اکِ کا گلارسی میں بندھا ہے اِک کے گلے میں دَم اٹکا ہے

اک مقتل سے نکلی ہوئی ہے ایک ہے سب سے بچھڑی ہوئی
ایک کے رُخ پر خون جما ہے ایک کا چہرہ زرد پڑا ہے

اک بے جان ہوئی رو رو کر مر گئی اک رستا تک تک کر
ایک کی آنکھیں خشک ہوئی ہیں ایک کی آنکھوں میں سکتا ہے

دوآنکھیں ہیں اک گریہ ہے ہاتھ ہیں دو اور اک ماتم ہے
یہ جو نویدؔ نے خوں سے لکھا ہے دونوحوں کا ایک نوحہ ہے

نوحہ

ہائے اکبرؑ کی یاد لیے جب آنگن میں شام آئے گی صغریٰؑ کتنا گھبرائے گی
دیوار و در سے سر اپنا جا جا کے وہ ٹکرائے گی صغریٰؑ کتنا گھبرائے گی

دروازے سے دروازے تک اک حجرے سے اک حجرے تک
وہ کتنی خاک اڑائے گی وہ کتنے چراغ جلائے گی صغریٰؑ کتنا گھبرائے گی

اس گھر کا اجڑنا ایک طرف اکبرؑ کا بچھڑنا ایک طرف
کوکھ اجڑی ماں کے پہلو میں جب وہ اصغرؑ کو نہ پائے گی صغریٰؑ کتنا گھبرائے گی

دے دے گی کان وہ آہٹ کو دھلیز پہ آنکھیں رکھ دے گی
پر دل تو رہے گا سینے میں وہ دل کو کہاں لے جائے گی صغریٰؑ کتنا گھبرائے گی

دھڑکن کی جگہ اُس کے دل میں سناٹا بھرتا جائے گا
ضعف اُس کا بڑھتا جائے گا تنہائی بڑھتی جائے گی صغریٰؑ کتنا گھبرائے گی

جس وقت گڑے گی اک برچھی اکبر کے چاند سے سینے میں
جب دشت میں آندھی اٹھے گی جب کرب و بلا تھرائے گی صغریٰؑ کتنا گھبرائے گی

وہ خود سے بچھڑ جائے گی نویدؔ وہ چین کہاں پائے گی نویدؔ
بھیجے گی قاصد پر قاصد اکبرؑ کی خبر نہیں پائے گی صغریٰؑ کتنا گھبرائے گی

نوحہ

اکبرؑ تیری دید کی خاطر راہ میں آنکھیں رکھ دی ہیں
صغرا نے اُمید کے در پر دھڑکن اور سانسیں رکھ دی ہیں

اکبر اکبر اللہ اللہ اللہ اکبر اکبر
دھاگے میں تسبیح کے اس نے ڈال کے گرہیں رکھ دی ہیں

صغراؑ کی گود سے اصغرؑ کو لے جانے والے دیکھ ذرا
اصغرؑ سے بچھڑنے کے دکھ نے شل کرکے بانہیں رکھ دی ہیں

صغراؑ سے وقت گزرتا نہیں دہلیز پہ گُم صُم بیٹھی ہے
جانے کہاں صبحیں رکھ دی ہیں جانے کہاں شامیں رکھ دی ہیں

خاموش ہوئی ہے ویرانی صغراؑ نے بھی چُپ سادھ لی ہے
سانسوں سے باندھ کے سینے میں اُس نے سب آہیں رکھ دی ہیں

سینے میں دم گھٹنے جو لگا آئی جو یاد سکینہؑ کی
حُجرے میں سکینہؑ کے اُس نے روشن کچھ شمعیں رکھ دی ہیں

جس دن سے کھلی میرے دل پر اُس صغراؑ کی تنہائی نوید
سناٹے کے طاق پہ میں نے ساری کتابیں رکھ دی ہیں

یا عباسؑ

جب ہواؤں میں نمی محسوس کی عباسؑ نے
احتیاطاً سانس اپنی روک لی عباسؑ نے
موجِ کوثر سر اُٹھا کر دیکھتی ہی رہ گئی
اتنی اونچائی پہ رکھ دی تشنگی عباسؑ نے

خاکِ پائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

نوحہ

میرا کعبہ مِرا قبلہ ہے علم غازیؑ کا
میرا نوحہ مِرا گریہ ہے علم غازیؑ کا

رات کیوں گشت پہ نکلی ہے سیہ چادر میں
چاند نکلا ہے کہ نکلا ہے علم غازیؑ کا

سرمدی سی جو فضاؤں میں مہک پھیلی ہے
لگ رہا ہے کہیں سجتا ہے علم غازیؑ کا

یہ علم وہ ہے اُٹھا کر کوئی جاں دیتا ہے
کوئی جاں دے کے اُٹھاتا ہے علم غازیؑ کا

اے اَحد تیری کمر کا جو نکلتا ہے یہ خم
مجھ کو لگتا ہے کہ اُٹھتا ہے علم غازیؑ کا

وہ جلالت ہے کبھی مَس نہ کیا مَیں نے نویدؔ
بس اشارے سے ہی چوما ہے علم غازیؑ کا

نوحہ

شہؑ نے کہا کہ مجھ کو درپیش اک سفر ہے عباسؑ کو بلاؤ
پہلے سے اِس سفر کی عباسؑ کو خبر ہے عباسؑ کو بلاؤ

عباسؑ میرا لشکر عباسؑ ہی علم ہے سب اسکا دم قدم ہے
وہ جو مِری زرہ ہے وہ جو مِری سپر ہے عباسؑ کو بلاؤ

میں جس سے دیکھتا ہوں کرب و بلا کا منظر عرشِ عُلا کا منظر
عباسؑ ہے وہ آنکھیں ، عباسؑ وہ نظر ہے عباسؑ کو بلاؤ

زہراؑ کا خواب ہے وہ تعبیر ہے علیؑ کی تصویر ہے علیؑ کی
عباسؑ جو دعا ہے عباسؑ جو اَثر ہے عباسؑ کو بلاؤ

ہمراہ میرے اُس کو جانا ہے کربلا کو بسانا ہے کربلا کو
اب وقت آ گیا ہے اور وقت مختصر ہے عباسؑ کو بلاؤ

میں خود ہوں اپنا نوحہ میں آہِ بے صدا ہوں میں زخمِ کربلا ہوں
وہ ہے مِرا مسیحا ، وہ میرا چارہ گر ہے عباسؑ کو بلاؤ

عباسؑ میرا سینہ عباسؑ میرا بازو وہ پھول ہے مَیں خوشبو
وہ چشم ہے مَیں اَبرو، مَیں دل ہوں وہ جگر ہے عباسؑ کو بلاؤ

شہرِ مدینہ میں تھی شہؑ کی صدا مسلسل تھی اک نویدِ ہلچل
میں شہرِ کربلا ہوں عباسؑ میرا در ہے عباسؑ کو بلاؤ

نوحہ

یہ کون خیمے سے لے کر علم نکل رہا ہے
حرم کو سکتا ہے زینبؑ کا دم نکل رہا ہے

رکی ہوئی ہے جو یہ شش جہات کی گردش
رکی ہوئی ہے جو یہ کائنات کی گردش
یہ خیمہ گاہ سے کس کا قدم نکل رہا ہے

جھکی ہوئی ہے سلامی کو انبیاؑء کی قطار
جھکی ہوئی ہے سلامی کو اولیاؑ کی قطار
کہ خیمہ گاہ سے صاحب حشم نکل رہا ہے

کٹا کے بازو علم دشت میں اٹھانے کو
یہ کون جارہا ہے لا الہٰ بچانے کو
قدم ملائے خدا بھی بہم نکل رہا ہے

کمر جھکائے ہوئے خاک اُڑا رہے ہیں حسینؑ
وہ دیکھ لاشِ برادر پہ آرہے ہیں حسینؑ
کمر میں تھا جو احد کی وہ خم نکل رہا ہے

وجود پا رہی ہے جسمِ لا الہٰ میں سانس
یہ دیکھ آرہی ہے جسمِ لا الہٰ میں سانس
وہ دیکھ خاک پہ غازی کا دم نکل رہا ہے

نویدؔ سوگ سا کیسا فضا پہ طاری ہے
یہ کس کا ذکر ہے جو بزمِ کُن میں جاری ہے
کہ جو بھی جارہا ہے چشم نم نکل رہا ہے

نوحہ

خود کو سنبھال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں
صدقہ نکال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں

چادر چھنے گی جس دم تب کون پاس ہوگا
قیدی بنیں گے جب ہم تب کون پاس ہوگا
مت کر سوال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں

مقتل میں کھو نہ جائیں غازی کے بعد بچے
بے حال ہو نہ جائیں غازی کے بعد بچے
رکھنا خیال زینبؑ عباسؑ جارہے ہیں

پردیس میں چھنے گی اب تیرے سر سے چادر
اب بال کھول اپنے اے بی بی اپنے سر پر
لے خاک ڈال زینبؑ عباسؑ جارہے ہیں

بچوں کے اب طمانچے اے بیبیوں لگیں گے
شامِ غریباں ہوگی خیمے بھی اب جلیں گے
وقتِ زوال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں

شہہؑ رہ گئے ہیں تنہا کوئی نہیں ہے زینبؑ
غازیؑ کے بعد شہہؑ کا کوئی نہیں ہے زینبؑ
شہہؑ کا خیال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں

غازیؑ کے گرد پھر کر آنچل کی تو ہوا دے
شانے پہ ہاتھ رکھ کر غازیؑ کو تُو دعا دے
اے پُر جلال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں

خیمے میں تھام کے دل پھر آ نہ جائیں سرورؑ
سُن کر یہ بین تیرے غش کھا نہ جائیں سرورؑ
مت ہو نڈھال زینبؑ عباس جا رہے ہیں

برپا نویدؔ اس دم خیمے میں ہے وہ محشر
زینبؑ سے کہہ رہی ہیں سب بیبیاں لپٹ کر
کیا ہوگا حال زینبؑ عباسؑ جا رہے ہیں

نوحہ

عباسؑ ترے ہاتھ مرے سر کی ہیں ردا اے شیر تو نہ جا
یہ ہاتھ کٹ گئے تو کرونگی ردا کا کیا اے شیر تو نا جا

کون آئے گا بچانے کو تیروں سے بھائی کو
خنجر چلے گا جب تو کسے دونگی میں صدا
اے شیر تو نہ جا

نیزہ ہر ایک ہاتھ میں ہوگا بوقتِ شام
کس کس سے اپنے سر کی بچاؤنگی میں ردا
اے شیر تو نہ جا

اُس وقت کیا کرونگی جو پیاسی سکینہؑ کو
پانی دکھا دکھا کے بہائیں گے اشقیا
اے شیر تو نہ جا

بھائی ہے تو کسی کا علم اور کسی کی آس
بھائی ہے میرے واسطے تو سایۂ خدا
اے شیر تو نہ جا

بھائی یہ ترے ہاتھ حرم کی قنات ہیں
پردے کی ابتداء ہیں یہ پردے کی انتہاء
اے شیر تو نہ جا

آئے گا خوں میں ڈوبا ہوا جب علم نویدؔ
خیمے کے در پہ گونج رہی ہوگی یہ صدا
اے شیر تو نہ جا

نوحہ

کمر تھامے ہوئے پہنچے جو شہؑ غازیؑ کے سرہانے
اٹھا کے خاک سے بازو لیے ہر زخم کے بوسے
رخِ غازیؑ کو دیکھا شاہؑ نے پھر بجھتی آنکھوں سے
لرزتے ہونٹوں پر غازیؑ کے اُس دم یہ سخن آئے

مِری پیاسی سکینہؑ کے لیے سوغات لے جائیں
سلامی کو مِرے آقاؑ یہ دونوں ہاتھ لے جائیں

ابھی آندھی اُٹھے گی اور جلائے جائیں گے خیمے
ابھی نوحہ سکینہؑ کا پڑھے گی راکھ اُڑ اُڑ کے
مِری پیاسی سکینہؑ کے لیے سوغات لے جائیں
سلامی کو مِرے آقاؑ یہ دونوں ہاتھ لے جائیں

سکینہؑ کے گلے میں باندھی جائے گی ابھی رسی
کہ دَم اُس کا گُھٹے گا وہ بنائی جائے گی قیدی
مِری پیاسی سکینہؑ کے لیے سوغات لے جائیں
سلامی کو مِرے آقاؑ یہ دونوں ہاتھ لے جائیں

ابھی چھانے کو ہے شامِ غریباں ہائے مقتل میں
سکینہ ڈھونڈنے اک ایک کو آئے گی جنگل میں
مِری پیاسی سکینہؑ کے لیے سوغات لے جائیں
سلامی کو مِرے آقاؑ یہ دونوں ہاتھ لے جائیں

چھنیں گے اُس کے گوہر خاک ڈالی جائے گی سر میں
ابھی دامن جلے گا خوں بھرے گا دیدۂ تر میں
مِری پیاسی سکینہؑ کے لیے سوغات لے جائیں
سلامی کو مِرے آقاؑ یہ دونوں ہاتھ لے جائیں

ابھی دَر دَر پھرے گی شام کے زندان جائے گی
سر اپنا خاک پر مارے گی ہائے خاک اڑائے گی
مِری پیاسی سکینہؑ کے لیے سوغات لے جائیں
سلامی کو مِرے آقاؑ یہ دونوں ہاتھ لے جائیں

طمانچے کھائے گی سرتا قدم خوں میں نہائے گی
اندھیرے شام کے زندان میں وہ جاں سے جائے گی
مِری پیاسی سکینہؑ کے لیے سوغات لے جائیں
سلامی کو مِرے آقاؑ یہ دونوں ہاتھ لے جائیں

کہاں جائے گی جب زنداں کی تنہائی رُلائے گی
بہت روئے گی جب صغریٰ کی اُس کو یاد آئے گی
مِری پیاسی سکینہؑ کے لیے سوغات لے جائیں
سلامی کو مِرے آقاؑ یہ دونوں ہاتھ لے جائیں

نوحہ

سینے سے لگو یا مجھے سینے سے لگاؤ
عباسؑ نہ جاؤ
زینبؑ کو غش آیا ہے اُسے ہوش میں لاؤ
عباسؑ نہ جاؤ

تم ہو تو اُسے اپنی ردا یاد نہیں ہے
بابا کا کہا تم نہ اُسے یاد دلاؤ
عباسؑ نہ جاؤ

کہتی ہے کہ یہ ہاتھ مرے سر کی ردا ہیں
لِلّٰہ نہ ان ہاتھوں کو دریا پہ کٹاؤ
عباسؑ نہ جاؤ

تم جاتے ہو جب سے یہ خبر اُس نے سنی ہے
وہ خاک پہ بیٹھی ہے سکینہؑ کو اٹھاؤ
عباسؑ نہ جاؤ

لشکر کے علمدار ہو تم ہو مرا لشکر
لِلہ مرے ہوتے نہ ہتھیار سجاؤ
عباسؑ نہ جاؤ

پانی سے بھلا ہجر کی کب پیاس بجھے گی
ہے تشنہ لبوں کی یہ صدا ہائے نہ جاؤ
عباسؑ نہ جاؤ

پہلے مرے حلقوم پہ چل جانے دو خنجر
جیتے جی مجھے تم تو نہ یہ داغ دکھاؤ
عباسؑ نہ جاؤ

پھر شمر ہے اور شامِ غریباں کا اندھیرا
چھوڑوں میں سکینہؑ کو کہاں یہ تو بتاؤ
عباسؑ نہ جاؤ

تھے بین یہ خیمے میں نویدؔ اہلِ حرم کے
بعد اپنے درندوں کیلئے چھوڑ نہ جاؤ
عباسؑ نہ جاؤ

نوحہ

لوٹ کر سقا نہ آیا شامِ عاشورہ کے بعد
پانی بچوں نے نہ مانگا شامِ عاشورہ کے بعد

سارے آنسو تو چچا کا خون بن کر بہہ گئے
بچی کو رونا نہ آیا شامِ عاشورہ کے بعد

خیمے میں غازیؑ نہ آئے آ گئی خیمے میں آگ
سب نے غازیؑ کو پُکارا شامِ عاشورہ کے بعد

ڈھونڈنے غازیؑ کو نکلے ہوگئی مقتل میں رات
ماؤں نے بچوں کو ڈھونڈا شامِ عاشورہ کے بعد

کچھ نہ تھا ٹوٹے ہوئے غازیؑ کے نیزے کے سوا
بس یہی ساماں بچا تھا شامِ عاشورہ کے بعد

شکل غازیؑ کی نظر آتی تھی خوں میں تر بہ تر
جو بھی کوزہ دیکھتا تھا شامِ عاشورہ کے بعد

پانی بہنے کی صدا سنتے ہی زینبؑ رو پڑیں
جب ہوا خاموش صحرا شامِ عاشورہ کے بعد

ہائے عمّو کہہ کے غش کھایا سکینہؑ نے نویدؔ
سامنے پانی جو آیا شامِ عاشورہ کے بعد

نوحہ

آ گئی شام، بڑھے شام کے سائے غازیؑ
ڈھونڈنے تجھ کو سکینہؑ کہاں جائے غازیؑ

سر پہ زینبؑ کے فقط ایک ردا باقی ہے
دیں بچائے کہ وہ چادر کو بچائے غازیؑ

گیا بازار گیا، شام کا دربار آیا
پھر کب آؤ گے اگر اب نہیں آئے غازیؑ

ہائے اب آیا سکینہؑ کو طمانچوں کا یقیں
آ گئی مشک، علم آیا نہ آئے غازیؑ

ہائے سکتے میں سکینہؑ ہے ، پریشان ہے ماں
کیسے سکتے سے اُسے ہوش میں لائے غازیؑ

ہائے کب نیل طمانچوں کے مٹے گالوں سے
کب سکینہؑ نے دہائی نہ دی ہائے غازیؑ

یہ گھڑی زینبؑ دلگیر پہ ہے سخت نویدؔ
ہاتھ رسّی میں ہیں ، منہ کیسے چھپائے غازیؑ

نوحہ

غازیؑ میرا کہاں ہے میں قید ہو رہی ہوں
ہر لب پہ الاماں ہے میں قید ہو رہی ہوں

بھائی کی جاں تھی مجھ میں اُس نے گلا کٹایا
بھائی میں میری جاں ہے میں قید ہو رہی ہوں

لاشے کٹے گلوں سے لبیک کہہ رہے ہیں
لب پر مرے اذاں ہے میں قید ہو رہی ہوں

سب سانس لے رہے ہیں بیمارؑ طوق میں ہے
آزاد اِک جہاں ہے، میں قید ہو رہی ہوں

جس کے حصار میں ہے وحدانیت وہ بازو
رسی کے درمیاں ہے ، میں قید ہو رہی ہوں

مقتل سے آ رہی ہیں تکبیر کی صدائیں
اک حشر کا سماں ہے میں قید ہو رہی ہوں

ہر اک نبیؑ کی محنت ہر اک ولی کی عظمت
اِس قید میں نہاں ہے میں قید ہو رہی ہوں

بازو میں فاطمہؑ کے رسی یہ بندھ رہی ہے
اور سب کو یہ گماں ہے ، میں قید ہو رہی ہوں

اس دم نویدؔ ہر اک گردش رکی ہوئی ہے
سکتے میں آسماں ہے ، میں قید ہو رہی ہوں

نوحہ

جب شاہ نے بے بازو تپتی ہوئی ریتی پر عباسؑ کو دیکھا ہے
زینبؑ کو پکارا ہے عمامہ اتارا ہے سر خاک پہ مارا ہے

پہنچے ہیں کمر تھامے عباس کے سرہانے
چومے ہیں کبھی بازو چومے ہیں کبھی شانے
پھر مشک اٹھائی ہے سینے سے لگائی ہے سر زانو پہ رکھا ہے

تم صبح میں سورج ہو تم چاند اندھیرے میں
لے لو مجھ اے بھائی پھر بازو کے گھیرے میں
تم ہی ہو زرہ میری تم ہی ہو سپر میری تم سے مرا ہونا ہے

تم میرے تصور کی تصویر ہو اے بھائی
میں خواب ہوں تم میری تعبیر ہو اے بھائی
میں پھول ہوں تم خوشبو میں چشم ہوں تم ابرو تم سے مرا چہرہ ہے

سرہانہ ہو تم میرا تم ہی مرا پہلو ہو
تم ہی مری قوت ہو تم ہی مرا بازو ہو
کیا دن یہ دکھاتے ہوں تم اِس طرح جاتے ہو دم جیسے نکلتا ہے

تم ہی ہو دعا میری تم ہی ہو صدا میری
میں ہی تو ہو آئینہ تم ہی ہو جِلا میری
ہاں میری عبا تم ہو زینبؑ کی ردا تم ہو تم سے ہی یہ پردہ ہے

یاد آیا جُھلانا وہ عباسؑ کو جھولے میں
بہتا رہا آنکھوں سے ہر خون کے قطرے میں
جو ساتھ تھا برسوں کا قرنوں کا زمانوں کا پل میں سمٹ آیا ہے

پانی لیے کوزے میں سرہانے کھڑے رہنا
تھامے کبھی نعلینیں پینتانے کھڑے رہنا
چلنے پہ وہ چل دینا رکنے پہ وہ رک جانا بھولا نہیں جاتا ہے

نوحہ

حسینؑ ابنِ علیؑ کا کلمہ پڑھا دیا تُو نے لا اِلہٰ کو
کٹا کے شانے علم اُٹھا کر بسا دیا تُو نے لا اِلہٰ کو

بنائی طینت جو نوحہ خواں کی خمیر گوندھا جو ماتمی کا
نبیؐ مِلا کے علیؑ مِلا کے مِلا دیا تُو نے لا اِلہٰ کو

لبالب اپنے لہو سے بھر کے کہ تشنگی سے کشید کر کے
یہی کہ آبِ بقا کا ساغر پلا دیا تُو نے لا اِلہٰ کو

دیئے ہیں بازو کہ دی ہیں سانسیں دیا ہے چہرہ کہ دی ہیں آنکھیں
خُدا سے کوئی یہ جا کے پوچھے کہ کیا دیا تُو نے لا اِلہٰ کو

سبحانہ ربِّ عظیم ہے تو ہے ربِّ اعلیٰ کریم ہے تو
نشیبِ مقتل سے تا بہ سدرا سجا دیا تُو نے لا اِلہٰ کو

بشر کا نوحہ مَلک کا نوحہ زمیں کا نوحہ فلک کا نوحہ
ہر اک زمانے میں خود اُجڑ کے بسا دیا تُو نے لا اِلہٰ کو

خدا کی تسبیح بھی یہی ہے نوید کا بھی یہی ہے سجدہ
لہو کا اپنے لباسِ خلعت پنہا دیا تُو نے لا اِلہٰ کو

نوحہ

تھا گِردِ علم زینبِ مضطر کا یہ نوحہ غازی ترے بازو
اِک بین تھا اِک شور تھا اِک حشر تھا برپا غازی ترے بازو

جب کٹ گئے بازو ترے تب مجھ پہ کھُلا ہے، احساس ہُوا ہے
تھی میری ردا تھے مری چادر مرا مقنع غازی ترے بازو

یاد آنے لگیں بیبیوں کو اپنی پناہیں، بازو کی قناتیں
کہتی تھیں وہ بالوں سے چھپائے ہوئے چہرہ غازی ترے بازو

زینب کے رسن بازو میں باندھی گئی جس دم، تھی ایک کمر خم
سجاد نے زنجیر سے تب خاک پہ لکھا غازی ترے بازو

تھے ہاتھ بڑھے شمر کے جب چھیننے گوہر، تب خاک پر گر کر
مقتل کی طرف دیکھ کے چلائی سکینہؑ غازی ترے بازو

ہر زخم سے سجادؑ کے پھر خوں ہوا جاری، لرزہ ہوا طاری
یہ کہہ کے سکینہ نے جو سَر خاک پہ مارا غازی ترے بازو

یہ شامِ غریباں ہے نہ یہ شام کا بازار، اب آگیا دربار
درکار ہے زینبؑ کو ترے ہاتھوں کا پردہ غازی ترے بازو

واللہ سمجھتا ہے نویدؔ اُس کو ہی قبلہ کر لیتا ہے سجدہ
کر دیتے ہیں جس سمت کو بھی اُٹھ کے اشارہ غازی ترے بازو

نوحہ

بازو کہیں علم کہیں مشک کہیں ہے سر کہیں
خود بھی بکھر نہ جائیں شہہ بھائی کو دیکھ کر کہیں

آنکھیں کہاں جگر کہاں سینہ کہاں جبیں کہاں
پیکاں کہیں سناں کہیں دشنہ کہیں تبر کہیں

اپنے حواس شاہِ دیں یکجا کریں تو کس طرح
سمت کہیں قدم کہیں آپ کہیں خبر کہیں

چلنے لگی ہیں آندھیاں زیر و زبر ہے سب جہاں
سورج کہیں زمیں کہیں عرش کہیں قمرکہیں

گر زِ جدائی کھا کے شہہ بکھرے ہیں اس طرح کہ بس
سینہ کہیں کمر کہیں دل ہے کہیں جگر کہیں

پلٹے جو لے کے لاش کو اپنی جگہ کوئی نہ تھا
خیمہ کہیں تھا خود کہیں پردا کہیں تھا در کہیں

بھائی کے غم میں جیتے جی زینبؑ کے دل کی کیا کہوں
شام کہیں دیے کہیں تارے کہیں سحر کہیں

یکجا ہو جانے کب نویدؔ یکتا ہو جانے کب نویدؔ
نکتہ کہیں بیاں کہیں سیپ کہیں گہر کہیں

نوحہ

برباد مدینے میں جو یہ قافلہ پہنچا
اُم البنین نے زینبِ مضطر کو جو دیکھا
دَوڑی وہ قدم بوسی کو اور بازو کو تھاما
کچھ بھی نہ کہا بی بی سے بس اتنا ہی پُوچھا
عباسؑ کے ہوتے ہوئے گھر کس طرح اُجڑا
مِرا لال کہاں تھا مرا لال کہاں تھا

امُ البنین نے زینبِ مضطر سے پوچھا، مِرا لال کہا تھا
خنجر کے تلے جب شہہ والا کا گلا تھا، مِرا لال کہاں تھا

کیا سوگیا تھا نہر پہ وہ شانے کٹا کر ، خود خوں میں نہا کر
جب پیاس سے بے حال تھی معصوم سکینہ، مِرا لال کہاں تھا

جب آگ لیے خیموں میں در آئے تھے اعدا، ہر خیمہ تھا شعلہ
جب جل رہا تھا آگ میں بے شیر کا جھولا، مِرا لال کہاں تھا

جس وقت سکینہ درِ خیمہ پہ کھڑی تھی، رہ دیکھ رہی تھی
اور کانپتے ہاتھوں میں تھا سوکھا ہوا کُوزہ ، مِرا لال کہاں تھا

بازار میں جس دم حرم آئے تھے کھلے سر، اور کھاتے تھے پتھر
جس وقت کہ سجاد کی بیڑی میں تھا لرزہ، مِرا لال کہاں تھا

جب طاہرہ کا نام نجس ہونٹوں پہ آیا ، بتلاؤ خدارا
میرا لال کہاں تھا ،میرا لال کہاں تھا ، مِرا لال کہاں تھا

جب دشت میں ہنگامہ ہوا ختم لہوکا سناٹا تھا ھُوکا
جب چھانے لگا شامِ غریباں کا اندھیرا، مِرا لال کہاں تھا

جب اہلِ حرم چھپتے تھے اک دوجے کے پیچھے، ہر سمت عدو تھے
اور کوئی نہ تھا پاس کے جو ان کو بچاتا، مِرا لال کہاں تھا

غش میں تھے نوید اہلِ حرم سکتا تھا طاری، اک سوگ تھا جاری
اور گونجتا تھا مادرِ عباس کا نوحہ، مِرا لال کہاں تھا

ہائے سکینہؑ

درِ زنداں کے جو کُھلنے کی صدا آتی ہے
کیا سکینہؑ کو رہا کرنے قضا آتی ہے

خاکِپائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

نوحہ

نہ پوچھ پانی سے کیا پیاس ہے سکینہؑ کی
"الہٰ" سبیل ہے "لا" پیاس ہے سکینہؑ کی

خدا سے پوچھ کبھی جس کو کر گئی سیراب
نہ پوچھ مجھ سے کہ کیا پیاس ہے سکینہؑ کی

یہ تجھ پہ کیسے کھلے آب و تشنگی کے اسیر
جدا ہے پانی جدا پیاس ہے سکینہؑ کی

تہوں میں اِس کی زمانوں کی تشنگی گُم ہے
جو پیاس سے بھی سوا پیاس ہے سکینہؑ کی

قسم ہے مشک و علم کی سوائے غازی کے
کسے خبر ہے کہ کیا پاس ہے سکینہؑ کی

نوید ہو گیا سیرابِ یاحسینؑ آخر
جو سوچتا تھا کہ کیا پیاس ہے سکینہؑ کی

نوحہ

کب رہا ہونے سکینہؑ آئی ہے زندان میں
موت کے سامان سارے لائی ہے زندان میں

آتے جاتے آرہی ہے بیڑیوں سے یہ صدا
اے سکینہؑ غم نہ کرنا بھائی ہے زندان میں

گُھٹ گیا زندان کا دم کیا سکینہؑ تیرے ساتھ
خامشی کیوں موت کی سی چھائی ہے زندان میں

کیا خبر رکھے کہ دن کب ڈھل گیا کب آئی شام
اُس نے کب رونے سے فرصت پائی ہے زندان میں

پوچھتی رہتی ہے ماں سے اپنے گھر کب جائیں گے
ہائے جس دن سے سکینہ آئی ہے زندان میں

در قفس کا کُھل رہا ہے وا سکینہؑ کا ہے شور
موت آئی یا قیامت آئی ہے زندان میں

ایک کاندھا کیا اُٹھائے کیا رکھے ننھی سی لاش
لاش جو زنداں سے اُٹھ کر آئی ہے زندان میں

چلتے چلتے جانے کب رک جائے دھڑکن اے نویدؔ
چند سانسیں ساتھ اپنے لائی ہے زندان میں

نوحہ

سو گئی ہائے سکینہؑ اوڑھ کر زنداں کی خاک
رو رہا ہے سر پہ ڈالے گھر کا گھر زنداں کی خاک

کٹ رہے ہیں بیڑیوں سے پائے عابدؑ صبح و شام
جم رہی ہے بیڑیوں کے زخم پر زنداں کی خاک

کیسے نکلے گی سروں سے قیدیوں کے عمر بھر
جم گئی ہے جو سفر کی خاک پر زنداں کی خاک

اب نہیں بابا کا وہ سینہ کہ اب بستر ہے خاک
اب نہیں دستِ پدر سر پر مگر زنداں کی خاک

پوچھتی ہے جب سکینہؑ ماں سے گھر کب جائیں گے
خاک پر دے مارتی ہے اپنا سر زندان کی خاک

کاٹتی ہے رات دن رخسار وہ گریے کی دھار
کاٹتی ہے بیڑیاں شام و سحر زنداں کی خاک

خاک اڑاتے کس طرح مرگِ سکینہؑ پر اسیر
ہائے زنداں میں نہیں ہوتی اگر زنداں کی خاک

خاک پر زنداں کی ہیں سجادؑ سجدے میں نوید
سجدۂ عابدؑ میں ہے شام و سحر زنداں کی خاک

نوحہ

گُھٹنے کو ہے دم معصومہ کا اب ہوا کا چلنا مشکل ہے
جاں تن سے نکلنا آساں ہے زنداں سے نکلنا مشکل ہے

یہ زنداں کی تاریکی ہے یہ رات نہیں جو ڈھل جائے
اب سانس چلے یا رک جائے پر موت کا ٹلنا مشکل ہے

اب زنداں کی تاریکی میں ہے شمعِ سکینہؑ بجھنے کو
وہ حبس کا عالم ہے کہ یہاں اک دیا بھی جلنا مشکل ہے

ہر دم بجتی زنجیروں سے جس دل کو ڈھارس رہتی تھی
بیڑی کی صداؤں سے بھی اب اُس دل کا بہلنا مشکل ہے

یہ رات بہت ہی بھاری ہے معصوم پہ سکتا طاری ہے
سکتے سے نکل بھی جائے تو حالت کا سنبھلنا مشکل ہے

لَوری کی جگہ اب نوحہ ہے تھپکی کی جگہ اب ماتم ہے
اب موت کی آخری ہچکی کا سانسوں سے بدلنا مشکل ہے

اِک اِک کا منہ تکتے ہیں نویدؔ سجادؑ کہیں تو کس سے نویدؔ
معصوم کا بچنا مشکل ہے اِس رات کا ڈھلنا مشکل ہے

نوحہ

راتوں کو سکینہ یہ دعا کرتی تھی رو کر بابا کو نہ کچھ ہو
چھنتے ہیں تو چھن جائیں بلا سے مرے گوہر بابا کو نہ کچھ ہو

عاشور کی شب جاتی ہے آہستہ برابر، دن نکلے گا کیونکر
بابا کی طرف سے مجھے رہتا ہے بہت ڈر ، بابا کو نہ کچھ ہو

سہہ لوں گی جو ماریں گے طمانچے یہ ستمگار ، نیلے ہوں یہ رخسار
ہوتا ہے اگر خون سے کُرتا ہو مِرا تر ، بابا کو نہ کچھ ہو

لے شمر اگر شاہؑ کے بدلے میں مری جاں، ہُوں شاہ پہ قرباں
مرنا تو مجھے یوں بھی ہے زندان میں گُھٹ کر ، بابا کو نہ کچھ ہو

بابا کی ضمانت میں حرم کی ہے جو حرمت، پردہ ہے سلامت
بابا کو جو کچھ ہوگیا چھن جائے گی چادر،بابا کو نہ کچھ ہو

پس گنبدِ افلاک میں پڑتی تھیں دراڑیں کھا کھا کے پچھاڑیں
کہتی تھی جو زینبؑ سے یہ شبیرؑ کی دختر ،بابا کو نہ کچھ ہو

خنجر لیے جب شہہؑ کی طرف شمر بڑھے گا ، سینے پہ چڑھے گا
گزرے گی نویدؔ اُس گھڑی کیا بچی کے دل پر ، بابا کو نہ کچھ ہو

نوحہ

اے موت بیکسی کا اندھیرا بڑھا نہ ، ہائے
زندان میں چراغِ سکینہؑ بجھا نہ ، ہائے

آئی اُسی جلے ہوئے کُرتے میں اُس کو موت
گالوں سے نیل مرتے دم تک مٹا نہ ، ہائے

رونے دیا ستم نے نہ سونے دیا اُسے
جب تک رکیں نہ سانسیں ستم بھی رکا نہ ، ہائے

کیسا کفن، کہاں کا اگر، کیا چراغ و گُل
دفن اِس طرح ہوئی کہ جنازہ اُٹھا نہ ہائے

نکلی نہیں جلے ہوئے خیموں کی سر سے راکھ
رسی کا جو نشاں تھا گلے سے چُھٹا نہ ہائے

خطبوں میں تھا سکینہؑ کے زینبؑ کا بانکپن
زنداں کے دَر پہ بچوں کا ماتم رکا نہ ، ہائے

ماتم کیا، اُٹھے ہوئے بے دم، گرے نویدؔ
ماتم کا حق تو ہم سے ادا ہو سکا نہ ہائے

نوحہ

قید خانے میں سکینہؑ کو جو گھر یاد آیا
دل سے اک ہوک وہ اُٹھی کہ جگر یاد آیا

پہلے یاد آیا سلامت اُسے ایک اک چہرہ
پھر ہر اک چہرہ اُسے خون میں تَر یاد آیا

یاد ہر سیلی پہ اُس بی بی کو رخسار آئے
خون دامن پہ جو ٹپکا تو گُہر یاد آیا

آئی بازار میں تو اُس کو ردا یاد آئی
سنگ برسے تو نبیؑ زادی کو سر یاد آیا

وقتِ رخصت جہاں جس در پر کھڑی تھی صغراؑ
یاد آئی اُسے صغراؑ ، اُسے در یاد آیا

آنکھ بھر آئی جو یاد آیا اُسے دستِ پدر
دل بھر آیا جو اُسے شمر کا شر یاد آیا

بسترِ سینۂ شبیرؑ اُسے یاد نہ تھا
خاکِ زنداں پہ رکھا اُس نے جو سر یاد آیا

دیکھی جب قبرِ سکینہؑ مِری آنکھوں نے نویدؔ
نہ کھُلا جو مِری بی بی پہ وہ در یاد آیا

نوحہ

زندان کے در پر کھڑی رہتی ہے سکینہؑ
مصروفِ فغاں ہر گھڑی رہتی ہے سکینہؑ

یا کوٹتی ہے ماتمِ شبیرؑ میں سینہ
یا خاک پہ غش میں پڑی رہتی ہے سکینہؑ

گھڑکی کا کبھی خوف طمانچوں کا کبھی ڈر
زندہ ہی زمیں میں گڑی رہتی ہے سکینہؑ

سکتے کا وہ عالم ہے کہ دیوار سے ٹِک کر
تصویر کی صورت جڑی رہتی ہے سکینہؑ

یا اُڑتی ہوئی خاک میں مُنہ اپنا لپیٹے
بے جنبش و بے حس پڑی رہتی ہے سکینہؑ

تالے کی خموشی ہے نویدؔ اُس کی سہیلی
بات اُس سے جو کرتی کھڑی رہتی ہے سکینہؑ

نوحہ

شہہؑ تھام کے لائے ہیں کمر ، مشکِ سکینہؑ
پانی سے نہیں خوں سے ہے تَر، مشکِ سکینہ

صدیوں سے تُو غازیؑ کے علم سے جو بندھی ہے
باقی ہے ابھی کتنا سفر ، مشکِ سکینہؑ

سینے میں ترے پیاس بہتّر کی ہے پھر بھی
پانی نہ ہُوا تیرا جگر ، مشکِ سکینہؑ

ہر زخم سے بہتا رہا پانی کی طرح خون
لپٹی رہی سینے سے مگر ، مشکِ سکینہؑ

شرمندہ سکینہؑ سے ہے سقّائے سکینہؑ
شرمندہ ہے غازیؑ سے مگر، مشکِ سکینہؑ

غازیؑ کے دہن کی طرح یہ خشک دہن ہے
کوثر سے لبالب ہے مگر، مشکِ سکینہؑ

پیاسا ہے نویدؔ ایک زمانے سے ہے پیاسا
ہو اُس کی طرف ایک نظر، مشکِ سکینہؑ

نوحہ

رہا ہوئی نہ سکینہؑ ، رہا ہوئی زینبؑ
دیا جلا کے لحد سے جدا ہوئی زینبؑ

علیؑ کو صبر کے بدلے مِلے حسینؑ و حسنؑ
علیؑ کو فقر کے بدلے عطا ہوئی زینبؑ

حوالے کر کے خدائی یہ کہہ رہا ہے خدا
تری ردا کی نہ قیمت ادا ہوئی زینبؑ

مقامِ مریمؑ و سارہؑ جہاں تمام ہوا
وہاں سے حق کی قسم ابتدا ہوئی زینبؑ

لہو میں ڈوبا ہوا خاک سے اُٹھا کے علم
گلے جو کٹ گئے اُن کی صدا ہوئی زینبؑ

نویدؔ کرب و بلا ہے بنائے الااللہ
نویدؔ کرب و بلا کی بنا ہوئی زینبؑ

نوحہ

دم سینے میں گھٹتا ہے اندھیرا ہے پھوپی جان
کھا جائے گا اماں مجھے یہ شام کا زندان

وہ شام طمانچوں بھری رخصت ہوئی اماں
دامن جلے گوہر چھنے مدت ہوئی اماں
پر آج تلک درد سے دکھتے ہیں مرے کان

یہ رات یہ تنہائی یہ خاموشی یہ غربت
اماں اِسی گوشے میں بنانا مری تربت
تا میری طرح سے ہو مری قبر بھی ویران

اماں ہو کہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا
ہاتھوں کو میرے ہاتھ سجھائی نہیں دیتا
ایسا ہے اندھیرا کے خطا ہوتے ہیں اوسان

سوچا تھا کہ زنداں سے رہا جب بھی میں ہوں گی
جاؤں گی مدینے کو میں صغرٰا سے ملوں گی
لگتا ہے مگر یاں سے رہائی نہیں آسان

یاں خاک اُڑاتی ہے جہاں شام سے وحشت
ہر صبح ٹپکتی ہے جہاں بام سے وحشت
ہوگا اِسی زنداں میں مرے دفن کا سامان

پُر شور نویدؔ اُتنا ہے جتنا ہے یہ سنسان
اک قبر کے ہوتے ہوئے یہ شام کا زندان
آباد کا آباد ہے ویران کا ویران

نوحہ

اماں بابا ہیں کہاں اماں بابا ہیں کہاں
اماں بابا ہیں کہاں، اماں بابا ہیں کہاں

آندھیاں دیکھو بگولوں کی طرح چلنے لگیں
خوں برسنے لگا ہلنے لگی مقتل کی زمیں
دیکھ آئی ہوں میں ہر خیمہ نہیں کوئی کہیں
کب سے دیتی ہوں صدا پر کوئی آتا ہی نہیں
اِن برستے ہوئے تیروں میں تمہیں ڈھونڈوں کہاں

سب کہاں کھو گئے یہ کوئی بتاتا ہی نہیں
کوئی بابا کو مرے ڈھونڈ کے لاتا ہی نہیں
آگ دامن کی مرے کوئی بجھاتا ہی نہیں
وہ اندھیرا ہے مجھے کچھ نظر آتا ہی نہیں
میری آنکھوں میں بھرا جاتا ہے خیموں کا دھواں

یاد بابا کی جو آ آ کے ستائے گی مجھے
جب تلک مر نہیں جاؤں گی رلائے گی مجھے
مجھ کو لگتا ہے کہ اب موت سلائے گی مجھے
اماں اِس خاک پہ تو نیند نہ آئے گی مجھے
وہ جو بستر تھا مرا ہائے وہ سینہ ہے کہاں

یہ ستم گار دہائی تو سنیں گے نہ کبھی
یہ ستم گار ستم سے تو رکیں گے نہ کبھی
مجھ نبیؐ زادی پہ یہ رحم کریں گے نہ کبھی
نیل گالوں سے طمانچوں کے مٹیں گے نہ کبھی
میری گردن سے نہ جائے گا یہ رسی کا نشاں

ساتھ بابا کے گئے سب کوئی آتا ہی نہیں
ظالموں سے مجھے اب کوئی بچاتا ہی نہیں
رحم کوئی بھی مرے حال پر کھاتا ہی نہیں
سر پہ رکھنے کو کوئی ہاتھ اُٹھاتا ہی نہیں
کیا یتیموں کے لیے کوئی نہیں جائے اماں

اُس کی آنکھوں سے جھڑی اشکوں کی بہتی ہے نویدؔ
ہاتھ دل پر وہ ہمیشہ دھرے رہتی ہے نویدؔ
غش سے جب اُٹھتی ہے وہ بس یہی کہتی ہے نویدؔ
بابا کب آئیں گے جب تن سے نکل جائے گی جاں

نوحہ

بیٹی حسینؑ کی سرِ دربار آئی ہے
معصوم خوں بھرے ہوئے رخسار لائی ہے

آیا ہے ہائے طشت میں رکھا سرِ حسینؑ
سب ہنس رہے ہیں اور سکینہؑ کے لب پہ بین
کیا خوب ہے یہ اجرِ رسالت دہائی ہے

نبیوں کی صف میں ہے صفِ ماتم بچھی ہوئی
نبضیں یہ کائنات کی کیوں ہیں رکی ہوئی
پُر خار رسیوں میں یہ کس کی کلائی ہے

ہلچل ہے قیدیوں میں یہ کیسی پھر ایک بار
در کُھل رہا ہے ہائے سکینہؑ کی ہے پکار
حکمِ رہائی آیا ہے یا موت آئی ہے

غربت میں خاک اُڑائی تھی جیسے حسینؑ نے
اکبرؑ کی لاش اُٹھائی تھی جیسے حسینؑ نے
عابدؑ نے ایسے لاشِ سکینہؑ اٹھائی ہے

مارا ہے تازیانہ اُٹھایا ہے کس کو ہائے
ظالم نے یہ کنیزی میں مانگا ہے کس کو ہائے
کیوں غش میں ہائے زینبؑ دلگیر آئی ہے

زنداں کے در سے پل کو نہ ہٹتی تھی جو نویدؔ
زندان کے اندھیرے میں جلتی تھی جو نویدؔ
اے موت تو نے شمع وہ کیسی بجھائی ہے

نوحہ

گلا بندھ رہا ہے بندھالو سکینہؑ
مگر کچھ بھی ہو دیں بچالو سکینہؑ

سہو گھُڑکیاں شمر کی اپنے دل پر
ذرا اُف نہ کرنا وہ کھینچے جو گوہر
طمانچے بھی گالوں پہ کھالو سکینہؑ

تمہیں یہ ستمگار سونے نہ دیں گے
جو رونا بھی چاہو تو رونے نہ دیں گے
ابھی سارے آنسو بہالو سکینہؑ

ہر اک سمت چھائی ہے شامِ غریباں
لیے آگ آئی ہے شامِ غریباں
کہ شعلوں میں دامن جلالو سکینہؑ

کہ اب اُٹھ گیا سر سے بابا کا سایہ
یتیمی نے تجھ کو یہ دن کیا دکھایا
کھلے سر پہ اب خاک ڈالو سکینہؑ

ستم سے بچانے کو اب کچھ نہیں ہے
گلے سے لگانے کو اب کچھ نہیں ہے
یتیمی گلے سے لگالو سکینہؑ

کہ قرآن و عترت پہ بات آگئی ہے
کہ اب دیں کی حُرمت پہ بات آگئی ہے
گُہر دے کے حُرمت بچالو سکینہؑ

نویدؔ آئی ہاتف کی آواز اُس دَم
نہ روئی سکینہؑ تو گھٹ جائے گا دَم
رکے ہیں جو آنسو بہالو سکینہؑ

نوحہ

قدموں سے لپٹ جاؤں گی جب جاؤ گے بابا
جب تک نہ یہ وعدہ کرو لوٹ آؤ گے بابا

جاؤں گی میں زندان میں کھاؤں گی میں پتھر
کھاؤں گی طمانچے بھی میں لُٹواؤں گی گوہر
خنجر سے گلا اپنا جو کٹواؤ گے بابا

تم دیکھنا پھر خاک پہ غش کھاؤں گی میں بھی
بوچھار میں ان تیروں کی آجاؤں گی میں بھی
جاں دینے کو مقتل میں اگر جاؤ گے بابا

لے جائیں گی دَر دَر یہ مجھے شام کی راہیں
مَیں تو نہیں سو پاؤں گی اُڑ جائیں گی نیندیں
تم شام ڈھلے خاک پہ سو جاؤ گے بابا

ایسے گئے پھر لوٹ کے اصغرؑ نہیں آئے
عمو بھی تو دریا سے پلٹ کر نہیں آئے
ایسا تو نہیں تم بھی نہیں آؤ گے بابا

جب مجھ کو قضا آئے گی زندان میں بابا
ہو گا مرا بھائی بھی تو زنجیروں میں تنہا
وعدہ کرو دفنانے کو تم آؤ گے بابا

آواز نویدؔ آئی سکینہؑ کی سنبھالو
بابا مجھے کچھ دیر کو سینے پہ سلا لو
کچھ دیر میں تم یوں بھی بچھڑ جاؤ گے بابا

نوحہ

سُوئے مقتل سکینہؑ یہ کہتی چلی
میرے بابا کہاں ہو خبر لو مری

کیسے گھر جاؤں سب راستے کھو گئے
راستہ تو بتاؤ کہاں سو گئے
سُن رہے ہو اگر تم صدائیں مری

کانپتا ہے بدن تھرتھراتا ہے دل
جب گُھڑکتا ہے وہ بیٹھ جاتا ہے دل
شمر کی میں بہت گُھڑکیاں کھا چکی

مار کر سیلیاں بالیاں چھین کے
سب کو بازو سے گردن سے باندھا مجھے
سانس لگتا ہے جیسے رکی اب رکی

دوڑتی ہوں میں لاشوں کے جو درمیاں
لڑکھڑاتے ہیں پاؤں دہلتی ہے جاں
پھر نہیں ڈھونڈنا میں اگر کھو گئی

آگ اُگلتے ہوئے آسماں کے تلے
راکھ خیموں کی منہ پر میں اپنے ملے
آ گئی ہوں تمہیں ڈھونڈتی ڈھونڈتی

شمر کو ٹوکنے والا کوئی نہیں
سیلیاں روکنے والا کوئی نہیں
رو رہی ہوں میں اور ہنس رہے ہیں شقی

لکھ رہا ہے لہو سے جو نوحہ نویدؔ
آپ کو دے رہا ہے جو پُرسہ نویدؔ
مانگتا ہے جو وہ اُس کو دے دو وہی

نوحہ

اماں زرا زنداں میں کوئی شمع جلاؤ کچھ کم ہو اندھیرا
یا مجھ کو مرے ہونے کا احساس دلاؤ کچھ کم ہو اندھیرا

اماں ہو کہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا
ہاتھوں کو مرے ہاتھ سجھائی نہیں دیتا
آؤ کہ نہ آؤ کوئی آہٹ ہی سناؤ کچھ کم ہو اندھیرا

آواز دو اماں کہ یہ سکتا مِرا ٹوٹے
زنداں کے اندھیرے سے مِری جان تو چھوٹے
لوری نہ سناؤ کوئی نوحہ ہی سناؤ کچھ کم ہو اندھیرا

دل میرا بہل جائے تو کچھ کم ہو یہ الجھن
زنداں کی خموشی سے نہ رک جائے یہ دھڑکن
کلکاریاں اصغر کی ذرا ڈھونڈ کے لاؤ کچھ کم ہو اندھیرا

بے جسم سا سایہ نظر آتی ہوں میں خود کو
اب خاک کا حصہ نظر آتی ہوں میں خود کو
پتھرا گئیں آنکھیں مری کوئی تو رلاؤ کچھ کم ہو اندھیرا

تم سن سکو بابا تو سکینہ کا سنو غم
زنداں کے اندھیرے میں نہ گھٹ جائے مرا دم
ویسے نہیں آتے تو تصور ہی میں آؤ کچھ کم ہو اندھیرا

کہتی تو نویدؔ آہ وہ کیسے جو ہوا حال
بس خود کو سناتی تھی وہ زندان کا احوال
پھر کہتی تھی وہ خود سے ذرا مجھ کو رلاؤ کچھ کم ہو اندھیرا

ہائے اکبرؑ

سناں نکل گئی سینے سے جاں نکلتی نہیں
نہ جانے صغراؑ سے کیا کہہ کے آئے ہیں اکبرؑ

خاکپائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

نوحہ

دل تھام کے غازیؑ سے کہا شہؑ نے کہ جاؤ اکبرؑ کو بلاؤ
اکبرؑ ابھی زندہ ہے نہ ہتھیار سجاؤ اکبرؑ کو بلاؤ

لشکر کے علمدارؑ ہو ٹھہرو ابھی ٹھہرو کچھ دیر تو دم لو
داغ اپنی جدائی کا ابھی تم نہ دکھاؤ اکبرؑ کو بلاؤ

کہنا علی اکبرؑ سے کہ میدان میں آئے سناں سینے پہ کھائے
بازو ہو مِرے تم ابھی بازو نہ کٹاؤ اکبرؑ کو بلاؤ

بھائی تمہیں اکبرؑ کی محبت کی قسم ہے غربت کی قسم ہے
خیمے کی طرف خاک اڑاتے ہوئے جاؤ اکبرؑ کو بلاؤ

کھا جائے نہ تم کو یہ ملالِ علی اکبرؑ خیالِ علی اکبرؑ
کیا سوچتے ہو خاک سے اب خود کو اٹھاؤ اکبرؑ کو بلاؤ

مانی تھی ظہورِ علی اکبرؑ کی یہ مَنّت تھی کب سے یہ حسرت
ہے وقت کہ مَنّت علی اکبرؑ کی بڑھاؤ اکبرؑ کو بلاؤ

کہنا کہ مِری بات میں ہے بات خدا کی ہے ذات خدا کی
ہم شکلِ محمدؐ ہو مِری بات بناؤ اکبرؑ کو بلاؤ

کہتے تھے نوید آہ کی صورت یہ شہہ دیں اے قلب کی تسکیں
میرے علی اکبرؑ ہو مدد کرنے کو آؤ اکبرؑ کو بلاؤ

نوحہ

شہہؑ نے کہا کہ بیٹا کرب و بلا سجاؤ اکبرؑ قدم بڑھاؤ
مقتل میں خاک اُڑانے تم سب سے پہلے جاؤ اکبرؑ قدم بڑھاؤ

ہیں منتظر نبیؐ بھی ہیں منتظر علیؑ بھی ہیں منتظر ولی بھی
آغازِ کربلا ہو جنت کا در بناؤ اکبرؑ قدم بڑھاؤ

تُم ہو احد کی وحدت ، آئینہ رسالت منجملۂ ولایت
لیلیٰؑ کی تم ہو منّت، منّت بڑھانے جاؤ اکبرؑ قدم بڑھاؤ

تم میری ابتدا ہو تم میری انتہا ہو بنیاد لا الہٰ ہو
مقتل میں اپنے خوں سے پہلا دیا جلاؤ اکبرؑ قدم بڑھاؤ

زینہ ہو تم ہمارا جینا ہو تم ہمارا سینہ ہو تم ہمارا
سینے پہ نیزہ کھاؤ اور خون میں نہاؤ اکبرؑ قدم بڑھاؤ

تم ہو مِرا حوالہ تم گھر کا ہو اُجالا زینب نے تم کو پالا
مقتل میں خود اجڑ کر کرب و بلا بساؤ اکبرؑ قدم بڑھاؤ

نوحہ نویدؔ نے جو اکبرؑ کو یاد کر کے لکھا ہے خونِ دل سے
جبرئیلؑ تم کہاں ہو نوحہ وہی سناؤ اکبرؑ قدم بڑھاؤ

نوحہ

ہے وقتِ سحر آخری اکبرؑ کی اذاں ہے
خیمے میں مصلے پہ سسکتی ہوئی ماں ہے

اے موت موذّن کو چھکنے دے ذرا دیر
پھر دل علی اکبرؑ کا ہے اور نوکِ سناں ہے

دل تھام کے ہاتھوں سے کچھ اس طرح سے کی آہ
پہچان گئے سب علی اکبرؑ کی یہ ماں ہے

کھنچتے ہی سناں ساتھ نکل آئیں گے دونوں
ہے ماں ابھی خیمے میں ابھی دل میں سناں ہے

لیلیٰؑ نے نظر بھر کے نہ دیکھا کبھی اِس کو
سب دیکھ کے جیتے ہیں جسے یہ وہ جواں ہے

ماریں گے نویدؔ اِس لیے اعدا اِسے برچھی
صورت ہے محمدؐ کی محمدؐ کی زباں ہے

نوحہ

ہوش میں آئی وہ ماں خیموں کے جل جانے کے بعد
غش میں تھی نیزہ دلِ اکبرؑ پہ چل جانے کے بعد

جب سناں سینے سے نکلی لڑکھڑائے دو جہاں
دو جہاں سنبھلے شہہؑ دیں کے سنبھل جانے کے بعد

در پہ خیمے کے کھڑی اِک ماں کے دل میں گڑ گئی
برچھی اکبرؑ کے کلیجے سے نکل جانے کے بعد

کیسے جاں اکبرؑ کی نکلی خاک پر کہتے رہے
ایڑیوں کے جو نشاں تھے دم نکل جانے کے بعد

آندھیاں اٹھیں مگر بے ہوش جب ماں ہو چکی
زلزلہ آیا مگر نیزے کے چل جانے کے بعد

آنکھ کے آگے شہہؑ دیں کی اندھیرا چھا گیا
چاند سے سینے میں اک برچھی کا پھل جانے کے بعد

بیچ خیمے کے کھڑی ماں سوچتی ہی رہ گئی
کیا رہا خیمے میں اکبرؑ کے نکل جانے کے بعد

خاص زہراؑ کا عطّیہ ہے یہ پروازِ نویدؔ
پر یہ آتی ہے بلندی، پَر کے جل جانے کے بعد

نوحہ

اے موت یہ اکبرؑ ہے سناں ہاتھ سے رکھ دے
ہمشکل پیمبر ہے سناں ہاتھ سے رکھ دے

در پر کبھی خیمے کے کبھی خیمے سے باہر
ماں کھولے ہوئے سر ہے سناں ہاتھ سے رکھ دے

اک ہاتھ کہ قبضے پہ ہے عباسؑ جری کا
اک ہاتھ کہ دل پر ہے سناں ہاتھ سے رکھ دے

یہ دیکھ کہ شبیرؑ کی بینائی نہ کھو جائے
کچھ ایسا یہ منظر ہے سناں ہاتھ سے رکھ دے

واللہ دھڑکتا ہے دلِ شاہؑ اِسی میں
یہ سینۂ اکبرؑ ہے سناں ہاتھ سے رکھ دے

گر آ گئی صحرا میں اِسے نیند قضا کی
تکیہ ہے نہ بستر ہے سناں ہاتھ سے رکھ دے

اکبرؑ کی بلا لے کے کہیں خود ہی نہ مر جائے
زینبؑ ابھی در پر ہے سناں ہاتھ سے رکھ دے

جاں میری نویدؔ آئی لبوں پر یہی کہتے
دل سینے سے باہر ہے سناں ہاتھ سے رکھ دے

نوحہ

دل ہاتھوں سے سرورؑ کو نکلتا نظر آیا
برچھی میں جو اکبرؑ کا کلیجہ نظر آیا

سینے سے نکلتی ہوئی برچھی نظر آئی
سایہ درِ خیمہ سے نکلتا نظر آیا

تن تھا کہ ہوا زانوئے شبیرؑ پہ ساکت
دل تھا کہ سرِ خاک تڑپتا نظر آیا

آنکھوں میں بصارت تھی نہ کانوں میں سماعت
شبیرؑ کو ہاتھوں سے وہ لاشہ نظر آیا

ٹھوکر نے بتا یا کہ گرے گھوڑے سے اکبرؑ
اکبرؑ نے صدا دی تو اندھیرا نظر آیا

مجھ کو تو سناں سینہ اکبرؑ میں نظر آئی
اے خواب کی تعبیر تجھے کیا نظر آیا

سجدے میں جو سر دے، ہے نویدؔ اس کو ہی سجدہ
جس چہرے میں اللہ کا چہرہ نظر آیا

نوحہ

حسینؑ کیا کریں زینبؑ کو لائے ہیں اکبرؑ
پدر کی جان ہیں جانے کو آئے ہیں اکبرؑ

سناں نکل گئی سینے سے جاں نکلتی نہیں
نہ جانے صغراؑ سے کیا کہہ کے آئے ہیں اکبرؑ

یہ زرد ہوتا ہوا چہرہ کس طرح سے چُھپے
سناں کا زخم تو شہؑ سے چُھپائے ہیں اکبرؑ

جمی ہوئی ہے درِ خیمہ پر نگاہِ حسینؑ
رخِ حسینؑ پہ نظریں جمائے ہیں اکبرؑ

بس ایک حُرؑ نے سُنی وہ اذانِ صُبحِ قتال
اذان دینے جو صحرا میں آئے ہیں اکبرؑ

ہوائے شامِ غریباں نے سب بجھا ڈالے
چراغ صغرؑا نے جتنے جلائے ہیں اکبرؑ

سفیدی جم گئی بالوں پہ بن کے گرد نویدؔ
نہ در سے اٹھ سکی صغرؑا نہ آئے ہیں اکبرؑ

نوحہ

ماں کہہ رہی ہے رکھ کر زانو پہ خوں بھرا سر
آنکھیں تو کھول اکبرؑ آنکھیں تو کھول اکبرؑ

پہچان لو تو جانو صورت ہے کیا ہماری
آنکھیں تو کھول دیکھو حالت ہے کیا ہماری
ماں کہہ رہی ہے رکھ کر زانو پہ خوں بھرا سر

سہرے کی ہر لڑی تو اشکوں میں ڈھل گئی ہے
مہندی کی تھی جو حسرت وہ خون مل گئی ہے
ماں کہہ رہی ہے رکھ کر زانو پہ خوں بھرا سر

سرہانے دیکھو صغراؑ کا نامہ بر کھڑا ہے
دیکھو تو گرد بیٹا سب گھر کا گھر کھڑا ہے
ماں کہہ رہی ہے رکھ کر زانو پہ خوں بھرا سر

خورشید سا یہ چہرہ سب خوں میں بھر گیا ہے
دیکھو تو ماں کے دل میں نیزہ اُتر گیا ہے
ماں کہہ رہی ہے رکھ کر زانو پہ خوں بھرا سر

ہے خاک سر پہ ڈالے کھولے ہے بال مادر
اُٹھو کہ چھن نہ جائے سر سے ہمارے چادر
ماں کہہ رہی ہے رکھ کر زانو پہ خوں بھرا سر

ڈوبے جو تم لہو میں تکبیر خوں میں ڈوبی
قرآن خوں میں ڈوبا تفسیر خوں میں ڈوبی
ماں کہہ رہی ہے رکھ کر زانو پہ خوں بھرا سر

لب پر یہ اُمّ لیلیٰ کے ہے نویدؔ نالہ
تم کیا گئے گیا ہے گھر سے مرے اُجالا
ماں کہہ رہی ہے رکھ کر زانو پہ خوں بھرا سر

نوحہ

اب تک علیؑ اکبر کو اذاں ڈھونڈ رہی ہے
وہ چاند کہاں چھپ گیا ماں ڈھونڈ رہی ہے

شہہؑ شام کے بادل میں جسے ڈھونڈ رہے ہیں
اُس چاند کے سینے کو سناں ڈھونڈ رہی ہے

آنکھوں سے نہیں ہاتھوں سے سرور کی ضعیفی
لاشِ علی اکبرؑ ہے کہاں ڈھونڈ رہی ہے

صغراؑ کی دعا لاشۂ اکبرؑ کے سرہانے
دم توڑتی ایڑی کے نشاں ڈھونڈ رہی ہے

اتنا ہے دہن خشک زباں دے کے دہن میں
اکبرؑ کی زباں شہہؑ کی زباں ڈھونڈ رہی ہے

بازار ہو دربار ہو زنداں کہ اندھیرا
اکبرؑ سے بچھڑ کر وہ اماں ڈھونڈ رہی ہے

جب عید نوید آئی مدینے میں تو لیلیٰ
اکبرؑ کی جگہ گھر میں دھواں ڈھونڈ رہی ہے

نوحہ

کس طرح سے ماں بھولے رخصت علی اکبرؑ کی
ہر وقت ہے آنکھوں میں صورت علی اکبرؑ کی

خورشید سا وہ چہرا رنگ آنکھوں کا وہ گہرا
اور اُس پہ سنہری وہ رنگت علی اکبرؑ کی

انداز وہ ہر اک سے مل کر بھی جداگانہ
اور سب سے نکلتی وہ قامت علی اکبرؑ کی

صحرا کا وہ سناٹا اور شب کی وہ تاریکی
اور روشنی کرتی وہ صورت علی اکبرؑ کی

گفتار میں لہجے میں نرمی وہ نبیؐ جیسی
چلنے میں علیؑ جیسی قامت علی اکبرؑ کی

نانا سے شباہت کی نسبت ہی کچھ ایسی تھی
کرتی تھی امامت بھی حرمت علی اکبرؑ کی

وہ شہہؑ کی نگاہوں کا اکبرؑ پہ ٹھہر جانا
جاں دینے میں سب پروہ سبقت علی اکبرؑ کی

مر کر بھی نویدؔ اُس کا سکتا ہی نہیں ٹوٹا
یوں ٹھہری نگاہوں میں صورت علی اکبرؑ کی

نوحہ

پیاسے علی اکبرؑ نے سناں کھائی جو دل پرماں رہ گئی کہہ کر
ہے ہے مرے اکبرؑ
کھائی ہے سناں تو نے وہاں اے مرے دلبر یاں مرگئی مادر
ہے ہے مرے اکبرؑ

کھنچتے ہوئے سینے سے سناں دیکھ رہی ہے
کچھ تم کو خبر ہے کہ یہ ماں دیکھ رہی ہے
اب ماں کو صدا دو کہ نہ آجائے نکل کر دل سینے کے باہر
ہے ہے مرے اکبرؑ

ہے نقش مرے دل پہ تری خیمے سے رخصت
برپا تھی درِ خیمہ پہ جس وقت قیامت
پردے کا وہ اُٹھ اُٹھ کے جو گرنے کا تھا منظر بھولے گی نہ مادر
ہے ہے مرے اکبرؑ

کیسے کہوں اعدا کی نظر کھا گئی تم کو
میں کیسے خبر دوں کہ قضا آ گئی تم کو
صغراؑ کو خبر کون مدینے میں دے جاکر مر جائے گی خواہر
ہے ہے مرے اکبرؑ

ماں ہونے کے حق سارے ادا کر دیے جس نے
اٹھارہ برس تم پہ فدا کر دیے جس نے
پالا ہے تمہیں جس نے کہ سینے سے لگا کر وہ زینبؑ مضطر
ہے ہے مرے اکبرؑ

لو آگ لیے آ گئے خیمے میں ستمگر
جلتے ہوئے خیمے سے نکالو مجھے باہر
گر تم نہیں آئے تو اسی خیمے کے اندر جل جائے گی مادر
ہے ہے مرے اکبرؑ

جلتے ہوئے خیمے میں ہے شاید کوئی بیمار
زینبؑ کے سوا کوئی نہیں اُس کا مدد گار
آتی ہے کبھی جاتی ہے وہ خیمے کے اندر زینبؑ ہے کُھلے سر
ہے ہے مرے اکبرؑ

اِن شعلوں نے پہلے تو ہر اک خیمہ جلایا
دامن انہی شعلوں نے سکینہؑ کا جلایا
اور اب ہے مرے سامنے گہوارۂ اصغرؑ ان شعلوں کی زد پر
ہے ہے مرے اکبرؑ

جس وقت نویدؔ آیا سرِ نیزہ ہر اک سر
لیلیٰ نے نویدؔ اُس گھڑی تھاما دلِ مضطر
اک نیزے پہ لیلیٰ نے جو دیکھا سرِ اکبرؑ آیا یہ لبوں پر
ہے ہے مرے اکبرؑ

نوحہ

کس کی نظر یہ لگ گئی کڑیل جوان کو
بے جان کس نے کر دیا لیلیٰؑ کی جان کو

حسرت سے شاہ دیں نے سناں کھینچتے ہوئے
اکبرؑ کو دیکھا اور کبھی آسمان کو

آتی ہو دل دھڑکنے سے اکبرؑ کی جب صدا
صغراؑ ہٹائے کس طرح اکبرؑ کے دھیان کو

جاری اِسی زباں سے ہوئے نہر و سلسبیل
لوگو دعائیں دو اِسی سوکھی زبان کو

اکبرؑ کی لاش خیمے میں اِس طرح لائے شاہ
ہاتھوں پہ لیکے آئے ہوں جیسے قرآن کو

اکبرؑ تِری صدا میں ہے تکبیر کی صدا
قائم کیا اذاں نے تری ہر اذان کو

نیزہ جنہوں نے کر دیا اکبرؑ کے دل کے پار
نیزوں پہ لیکے آئے تھے کل وہ قرآن کو

اللہ رے نویدؔ کی پرواز الامان
تکتے ہیں جبرئیلؑ بھی جس کی اُڑان کو

نوحہ

جیے گی کیسے ترے بعد تیری ماں اکبرؑ
تو یاد آئے گا گونجے گی جب اذاں اکبرؑ

یہ غم ہے ماں کو نہ کیوں آکے دل میں ماں کے گڑی
لگی ہے سینے پہ تیرے جو یہ سناں اکبرؑ

گئے تو لے گئے تم اپنے ساتھ یہ آنکھیں
کہ اب مجھے نظر آتا ہے سب دھواں اکبرؑ

یقین آیا مجھے تب کہ موت آئی تمہیں
بندھی تھی جب مرے بازو میں ریسماں اکبرؑ

صدائیں ماں کو جو دے کر گرے تھے گھوڑے سے
زمیں پہ ٹوٹ پڑا تھا یہ آسماں اکبرؑ

تمہاری موت کے اِس زخم کی دوا نہ دعا
یہ درد جائے گا آخر کو لے کے جاں اکبرؑ

نویدؔ ہائے وہ دے مارتی تھی خاک پہ سر
کہاں سے ڈھونڈ کے لائے گی تجھ کو ماں اکبرؑ

نوحہ

تم چاند ہو اِس گھر کا نہ جاؤ علیؑ اکبر
صغراؐ کی ضعیفی نہ بڑھاؤ علیؑ اکبر

دہلیز پہ بیٹھی ہوں میں تم جب سے گئے ہو
لینے مُجھے کب آؤ گے آؤ علیؑ اکبر

دُوری کا نہ یہ داغ دو صغراؐ کو خدارا
برچھی تو کلیجے پہ نہ کھاؤ علیؑ اکبر

میں چاہوں بھی تو گھر کی یہ ویرانی نہ کم ہو
تم چاہو تو ویرانہ بساؤ علیؑ اکبر

اک تم ہی تو صغرا کی ضعیفی کا عصاء ہو
صغراؐ کو سہارا دو اُٹھاؤ علیؑ اکبر

آؤ کہ اندھیرے نے مُجھے گھیر لیا ہے
جینے کی کوئی شکل دکھاؤ علیؑ اکبر

تنہائی میں ویرانی میں سنّاٹے میں خود میں
میں کھو گئی ہوں ڈھونڈ کے لاؤ علیؑ اکبر

نوحہ تھا نویدؔ اُس کے لبوں پر یہی ہر دم
دم سینے میں رُکنے لگا آؤ علیؑ اکبر

ہائے اصغرؑ

اصغرؑ نے گلا تیر کے آگے جو رکھا ہے
کیا دیکھ لیا اُس نے کہ اِس زد پہ خدا ہے

اے انتہائے صبر حدِ صبر توڑ دے
اصغرؑ کا خوں چھڑک کے زمیں کو نچوڑ دے

خاکپائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

نوحہ

اصغرؑ کا لہو چہرے پہ ملے شبیرؑ کھڑے ہیں مقتل میں
گرنے سے فلک کو روکے ہوئے شبیرؑ کھڑے ہیں مقتل میں

یہ ظالمو آخری حجت ہے اِس حجت پر ہی قیامت ہے
ہاتھوں میں علی اصغر کو لیے شبیرؑ کھڑے ہیں مقتل میں

یہ جان لیں وہ جو ستمگر ہیں اصغرؑ ہی شافعِ محشر ہیں
یہ ہے جو صدا ہل من کی لیے شبیرؑ کھڑے ہیں مقتل میں

گردن پر چاہے تیر لگے پر دھوپ نہ تن پر اِس کے پڑے
اصغرؑ پہ عبا کا سایہ کیے شبیرؑ کھڑے ہیں مقتل میں

قرآں کا گلا خنجر سے کٹا، یٰسین کا دل نیزوں سے چھدا
سر تا بہ قدم قرآن بنے شبیرؑ کھڑے ہیں مقتل میں

جو ابراہیمؑ نے دیکھا تھا اک قربانی کا خواب نویدؔ
اُس خواب کی ہی تعبیر بنے شبیرؑ کھڑے ہیں مقتل میں

نوحہ

نا مکمل رن کو اصغرؑ نے مکمل کر دیا
تیر تھا جس ہاتھ میں اس ہاتھ کو شل کر دیا

لے کے اصغرؑ کو چلے جب شاہ مقتل کی طرف
ماں نے سائے کے لیے نظروں کو آنچل کردیا

رن میں آ کر کِھل گئی کچھ اور اصغرؑ کی کلی
دھوپ نے اِس پھول کو کچھ اور کومل کردیا

در سے خیمے کے علی اصغرؑ کو ماں تکتی رہی
جب تلک اصغرؑ کو میداں نے نہ اوجھل کردیا

مسئلہ جو شاہؑ کو درپیش تھا اِس موڑ پر
اک تبسم نے ترے وہ مسئلہ حل کردیا

کس کا یہ انداز ہے اے تیر اندازو کہو
کس نے دو ٹکڑے گلے سے تیر کا پھل کر دیا

گردنیں لشکر نے ڈالیں ہاتھ سینے پر دھرے
بے زبانی نے تری ہر لب مقفّل کر دیا

کاٹتا تھا انگلیاں دانتوں سے وہ اپنی نویدؔ
صبر نے بے شیرؑ کے ظالم کو پاگل کردیا

نوحہ

بڑھنے لگے ہیں سائے اصغرؑ نظر نہ آئے
اب کس کو ماں جُھلائے لوری کسے سنائے

سوکھی زباں پھرانا توحید کو بچانا
کہتا ہے مُسکرانا آتا ہے تیر آئے

شبیرؑ ہیں اکیلے مقتل میں جان لینا
جُھولے سے خود کو اصغرؑ جب خاک پر گرائے

ہل مِن وہ شہؑ کا کہنا بے شیر کا ہمکنا
ہاتھوں کا وہ چلانا ماں کیسے بھول جائے

اب بھی دیا بجھا ہے اب بھی ہے استغاثہ
جانا ہے جس کو جائے آنا ہے جس کو آئے

بے شیر کی یہ صورت ہے دستِ شہؑ پہ حجت
کُل انبیاء کی محنت ہاتھوں پہ ہیں اٹھائے

لوری تھی جن لبوں پر اب ہے نویدَ نوحہ
رسّی ہے بازوں میں بے شیر کی بجائے

نوحہ

رو کر علی اصغرؑ کو رلائے گی سکینہؑ کو
ماں جب بھی کبھی پانی پلائے گی سکینہ کو

یاد آئے گا جھولا، اُسے یاد آئیں گے اصغرؑ
ماں لوریاں دے کر جو سلائے گی سکینہؑ کو

آئیں گے تصور میں ہمکتے ہوئے اصغرؑ
آواز وہ دے کر جو بلائے گی سکینہؑ کو

آئے گی نظر اُس کو بھی قبرِ علی اصغرؑ
جب ڈھونڈنے مقتل میں جائے گی سکینہؑ کو

جب قافلہ جائے گا تو روتے ہوئے کیسے
ماں تربتِ اصغرؑ سے اٹھائے گی سکینہؑ کو

مقتل سے وہ نکلے گی کھو کر علی اصغرؑ کو
زنداں سے جو نکلے گی نہ پائے گی سکینہؑ کو

زنداں میں نویدؔ اس کو یاد آئے گا جھولا
جب خاک پہ زنداں کی سلائے گی سکینہؑ کو

نوحہ

ہوگئی شام دھواں لوری دیتی رہی ماں
جھولا جلتا ہی رہا جھولے سے لپٹی رہی ماں

کانپتے ہاتھوں میں سوکھے ہوئے ساغر کو لیے
دھوپ کی گود میں یادِ علی اصغرؑ کو لیے
سائے میں آئی نہیں دھوپ میں بیٹھی رہی ماں

پیاس بڑھتی ہوئی سوکھے ہوئے سارے ساغر
کان دریا کی طرف آنکھیں علی اصغرؑ پر
پانی بہنے کی صدا خیمے میں سنتی رہی ماں

لاشِ اصغرؑ کو لیے خاک میں اَٹتے رہے شاہؑ
در پہ خیمے کو جو آ آ کے پلٹتے رہے شاہؑ
خاک سے اُٹھتی رہی، خاک پہ گرتی رہی ماں

قافلہ آ کے رکا جبکہ درِ صغرؑا پر
ہائے اصغرؑ کہا اور در پہ گری چکرا کر
سنگِ در تھام لیا سر کو پٹکتی رہی ماں

خالی حجروں میں سسکنے کو گیا سناٹا
صحن میں خاک اُڑاتا ہوا دن آ کے گیا
جیسے بیٹھی تھی اُسی طرح سے بیٹھی رہی ماں

ہائے جلتے ہوئے خیمے میں سکینہؑ ہے نویدؔ
درمیاں شعلوں کے جلتا ہوا جھولا ہے نویدؔ
دونوں کو تھامے ہوئے آگ میں جلتی رہی ماں

نوحہ

ہو مرے لعل کہاں، راہ تکتی ہے یہ ماں
آگ خیموں میں لگی راکھ پہ بیٹھی ہے یہ ماں

جو گزرتی ہے اکیلے ہی مجھے سہنے دو
خاک اُڑانے دو مجھے دھوپ ہی میں رہنے دو
موت آتی ہے اگر سائے میں جاتی ہے یہ ماں

اب نہ آباد کبھی ہوگی یہ اُجڑی ہوئی گود
مانگ سُونی ہوئی میری، مری سونی ہوئی گود
ایسے اُجڑے نہ کوئی جیسے کہ اُجڑی ہے یہ ماں

ہائے کیسا یہ ستم ماں پہ خدایا ٹوٹا
لب کو جنبش نہ ہوئی پھر نہ یہ سکتہ ٹوٹا
جیسے بیٹھی تھی اِسی طرح سے بیٹھی ہے یہ ماں

گھر کی دہلیز سے کس طرح سے گزری ہوگی
تھام کر در کبھی بیٹھی کبھی اُٹھی ہوگی
کھو کے جنگل میں تجھے گھر میں جو آئی ہے یہ ماں

ہائے سرگوشی میں کہتی ہے یہ ماں اصغرؑ سے
ہائے جس روز سے بچھڑی ہے یہ ماں اصغرؑ سے
ہائے اُس روز سے روئی ہے نہ سوئی ہے یہ ماں

دل پہ مادر کے عجب تیر سے چلتے ہیں نویدؔ
خون اصغرؑ کا جو شہہؑ چہرے پہ ملتے ہیں نویدؔ
کھا کے غش خاک پہ کس طرح سے گرتی ہے یہ ماں

نوحہ

اک جھولا جل گیا اک جھولا جل گیا
یہ جھولا اُس جلے ہوئے جھولے کا ہے نشاں

پہلو میں میں نہ ہوں تو نہ گھبرانا میرے لعل
جنگل میں نیند آئے تو سو جانا میرے لعل
تم آ گئے تو لال سلائے گی ماں کہاں

سائے میں آئی بانوؑ تو گھبرا کے گر گئی
پہلو جو شل ہوا تو سرِ خاک گر پڑی
دامن میں تھیں جلے ہوئے جھولے کی لکڑیاں

قدموں میں تھک کے غازیؑ کے دریا بھی سوگیا
اصغرؑ کو لے کے گود میں صحرا بھی سوگیا
جھولے کی راکھ بن گئی اِک ماں کی لوریاں

یہ ہاتھ سر پہ خاک نہ ڈالیں تو کیا کریں
سر پیٹنے کے کام نہ آئیں تو کیا کریں
جن ہاتھوں سے جھلاتی تھی جھولا تجھے یہ ماں

مجھ کو تو بس نویدؔ یہ حسرت ہے بے کراں
اصغرؑ کے بعد کس لیے قائم ہے یہ جہاں
چلتی ہیں کیوں ہوائیں یہ دریا ہے کیوں رواں

نوحہ

ہوگئی دھواں لوری راکھ ہو گیا جھولا
ماں سے چھپ کے صحرا میں رو رہا ہے سناٹا

لوریاں سنائیں گی اب ہوائیں صحرا کی
دے گی اب تجھے ہائے عرضِ کربلا جھولا

وہ تو لے لیا تو نے خود ھمک کے گردن پر
ورنہ وہ خدا تھا جو تیر کا نشانہ تھا

لاش اُٹھا کے اصغرؑ کی اٹھنے بیٹھنے والے
وزن تو بتا مجھ کو کیا ہے لاشِ اصغرؑ کا

کلمہ پڑھنے والوں نے تیر مارا اصغرؑ کے
بے الہٰ کیا جانے لا الہٰ الا للہ

ہے حُبل کی معزولی موت ہے یہ عُزہ کی
شہہؑ کا لیکے اصغرؑ کو قتل گاہ میں آنا

آج بھی خلش بن کر سینے میں ہے مہدیؑ کے
جو لگا تھا گردن پر تیر وہ کہاں نکلا

منہ سے خون اگلتا تھا ذرّہ ذرّہ صحرا کا
جب نویدؔ مقتل میں گونجتا تھا یہ نوحہ

نوحہ

سُن کے ہل من کی صدا جھولے سے ایک مہہ لقا دے رہا ہے یہ صدا لبیک یا شاہ ہُدیٰ
حاصل کرب وبلا آخری فدیہ تیرا تجھ کو دیتا ہے نِدا لبیک یا شاہ ہُدیٰ

جس پہ ہے محشر رکا جس پہ ہے روزِ جزا
شافعِ روزِ جزا میرا چھد جائے گلا
باقی رہ جائے خدا لبیک یا شاہ ہُدیٰ

اِس کو کیا جانے عُدو کون ہوں میں کون تو
تو صدا ہے میں گلو جو بہے میرا لہو
پھینکنا مت عرش پر پھینکنا مت فرش پرخون ہے نا حق مرا لبیک یا شاہ ہُدیٰ

کہہ رہا ہے یہ خدا کہہ رہے ہیں مصطفیٰؐ
کہہ رہے ہیں مجتبیٰ کہہ رہے ہیں مرتضیٰ
انبیاء نے بھی کہا اولیا نے بھی کہا اوصیا نے بھی کہا لبیک یا شاہ ہُدیٰ

عرش سارا ہل گیا گونجی اصغرؑ کی صدا
عصر کا وقت آ گیا بابا تنہا ہے مِرا
دو خدا والو صدا، عرش والو دو صدا فرش والو دو صدا لبیک یا شاہ ہُدیٰ

آندھیوں کا تھا وہ زور تھا اندھیرا چاروں اور
بس زمین سے تا فلک واحسینا کا تھا شور
دی جو اصغرؑ نے صدا، دی ملائک نے صدا دی خلائق نے صدا لبیک یا شاہ ہُدیٰ

پھر سجے کرب و بلا پھر ہو سر تن سے جدا
پھر فدا ہوں پھر فدا ہو سکا کب حق ادا
قافلہ جس دم چلا ایک ننھا سا گلا ، نیزے پر کہتا رہا لبیک یا شاہ ہُدیٰ

کربلا ہے یہ نویدؔ آئنہ ہے یہ نویدؔ
سلسلہ ہے یہ نویدؔ تذکرہ ہے یہ نویدؔ
اُس نے ہی پائی بقا مر کے بھی زندہ رہا جس نے جیتے جی کہا لبیک یا شاہ ہُدیٰ

نوحہ

ترا جھولا اُٹھایا جاتا ہے ترا جھولا اٹھایا جاتا ہے
لوری کی جگہ ہائے اصغر ترا نوحہ سنا یا جاتا ہے

لو اُٹھتی ہے گریے کی صدا لو اُٹھتی ہے نوحے کی صدا لو اُٹھتی ہے ماتم کی صدا
ہر ایک نبی ہر ایک ولی،حلقے میں بلایا جاتا ہے ترا جھولا اُٹھایا جاتا ہے

وہ شور ہے ہائے اصغرکا وہ بین ہے تیری مادر کا وہ اُٹھنا بیٹھنا سرورؑ کا
کہتا ہے یہ سارا منظر ترا لاشہ اُٹھایا جاتا ہے ترا جھولا اُٹھایا جاتا ہے

صدقے ہوتے ہیں ارض وسما صدقے ہوتی ہے کرب و بلا صدقہ ہوتا ہے آپ خدا
حیدر کو بلایا جاتا ہے سرور کو بلایا جاتا ہے ترا جھولا اُٹھایا جاتا ہے

عصمت کا باطن ہے تجھ میں توحید کا ظاہر ہے تجھ میں ہر اوّل و آخر ہے تجھ میں
تری بات سنائی جاتی ہے تیرا قد بتلایا جاتا ہے ترا جھولا اُٹھایا جاتا ہے

اِس وقت نویدؔ نویدؔ نہیں سجدے میں پڑی ہے اُس کی جبیں ہلتا ہے فلک ہلتی ہے زمیں
ترا جھولا اُٹھایا جاتا ہے ترا جھولا اٹھایا جاتا ہے ترا جھولا اُٹھایا جاتا ہے

نوحہ

راکھ جھولے کی اُڑی ہے لے کے صحرا کی ہوا
ہر طرف سے آ رہی ہے ہائے اصغر کی صدا

مسکرانا کھلکھلانا وہ ہمکنا چونکنا
ساتھ جھولے کے نہ جانے میرا کیا کیا جل گیا

آنکھ کے آگے اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں
دے صدا تجھ کو تو کیسے گھٹ گیا ماں کا گلا

جس کی لَو ہے کربلا اور روشنی ہے لا الہٰ
کربلا کی خاک میں ہے دفن ننھا سا دیا

جانے سر اپنا چھپانے کربلا جاتی کہاں
گر نہیں ہوتا لہو تیرا پناہِ کربلا

نقطۂ توحید ہے تو مرکزِ توحید ہے
گرد جس کے گھومتی ہے دائرے میں کربلا

راکھ میں دل کی ملایا خون تب لکھا نویدؔ
کیا کہوں مجھ سے یہ جھولا کس طرح لکھا گیا

نوحہ

قید میں تیرگی راکھ اُڑاتی رہی
ہائے اصغرؑ کی آواز آتی رہی

اب تو ہونے کا احساس بھی کھو گیا
دُور بھی کھو گیا پاس بھی کھو گیا
نزع میں اِک صدا لڑکھڑاتی رہی
ہائے اصغرؑ کی آواز آتی رہی

مَوت آئے گی یہ وقت ٹل جائے گا
اب مجھے یہ اندھیرا نگل جائے گا
حال اپنا وہ خود کو سناتی رہی
ہائے اصغرؑ کی آواز آتی رہی

ایک اِک کر کے منظر بدلتا رہا
ایک سایہ سا گرتا سنبھلتا رہا
سانس آتی رہی سانس جاتی رہی
ہائے اصغرؑ کی آواز آتی رہی

زیرِ لب کوئی نوحہ سناتا رہا
اِک دیا قید میں جھلملاتا رہا
لَو لرزتی رہی تھرتھراتی رہی
ہائے اصغرؑ کی آواز آتی رہی

تیرگی سے گلا بھی نہیں چھوٹتا
ایسا سکتا ہے سکتا نہیں ٹوٹتا
اِک صدا ہے کہ جو دور جاتی رہی
ہائے اصغرؑ کی آواز آتی رہی

نبض تنہائی کی ڈوبتی ہی رہی
روشنی روشنی چیختی ہی رہی
دے کے سب کو صدا وہ بلاتی رہی
ہائے اصغرؑ کی آواز آتی رہی

گھُپ اندھیرے میں گُم ہوگئی وہ نوید
خود ہی زندان میں سوگئی وہ نوید
وہ جو اصغرؑ کو لوری سناتی رہی
ہائے اصغرؑ کی آواز آتی رہی

نوحہ

جھولا تو جل چکا ہے بس راکھ اُڑ رہی ہے
وہ چاند چُھپ گیا ہے بس راکھ اُڑ رہی ہے

سناٹا چیختا ہے مقتل میں کیا بچا ہے
خیموں میں کیا بچا ہے بس راکھ اُڑ رہی ہے

بے جنبش و کنایہ خیمے میں ماں کا سایہ
ساکت پڑا ہوُا ہے بس راکھ اُڑ رہی ہے

کیسا کوئی ستارا کیسا کوئی نظارہ
سب کچھ ہی چُھپ گیا ہے بس راکھ اُڑ رہی ہے

جنبش تھمی ہوئی ہے گردش رُکی ہوئی ہے
سکتے میں کربلا ہے بس راکھ اُڑ رہی ہے

تلوار و تیر و نیزہ ، صحرا و دشت و دریا
ہر شور تھم گیا ہے بس راکھ اُڑ رہی ہے

جو عکس کبریا تھا جو آخری دیا تھا
اب وہ بھی بُجھ گیا ہے بس راکھ اُڑ رہی ہے

جھولا تھا ماں کے دل میں جھولے میں ماں کا دل تھا
سب راکھ ہو چکا ہے بس راکھ اُڑ رہی ہے

دل میں نویدؔ اِس دم آندھی سی چل رہی ہے
بس درد اُٹھ رہا ہے بس راکھ اُڑ رہی ہے

نوحہ

ترا جھولا آرہا ہے ترا جھولا آرہا ہے
نوحہ کُناں ہے کوئی کوئی خاک اُڑا رہا ہے
ترا جھولا آرہا ہے ترا جھولا آرہا ہے

ہے شام بے چراغاں پرہول ہے بیاباں
کوئی نہیں ہے ساماں ہیں چاک سب گریباں
اُٹھ اُٹھ کے ہر بگولا نوحہ سنا رہا ہے
ترا جھولا آرہا ہے ترا جھولا آرہا ہے

ننھے سے اِس دیے سے ہے اِک جہان روشن
کیا چاند کیا ستارے ہے لا مکان روشن
صدیاں گزر گئی ہیں یہ جگمگا رہا ہے
ترا جھولا آرہا ہے ترا جھولا آرہا ہے

یہ آسماں سے کوئی تارا ہُوا برآمد
یا دائرے میں تیرا جھولا ہُوا برآمد
یوں لگ رہا ہے کوئی مقتل میں آرہا ہے
ترا جھولا آرہا ہے ترا جھولا آرہا ہے

ہے جس سے ہر زمانہ ہے اُس کا کیا ٹھکانا
ہے جس سے آب و دانہ ہے تیر کا نشانہ
اُمت کو رزق دے کر خود تیر کھا رہا ہے
ترا جھولا آرہا ہے ترا جھولا آرہا ہے

ہر اِک ولی ہے زخمی ہے اِک نبی ہے زخمی
ہر نوحہ خواں لہو ہے ہر ماتمی ہے زخمی
سارے کا سارا حلقہ خوں میں نہا رہا ہے
ترا جھولا آرہا ہے ترا جھولا آرہا ہے

صوت و صدا کے مارے حرف و بیاں کے مارے
یہ کیا سمجھ سکیں گے نطق و زباں کے مارے
یہ اپنی بے زبانی میں کیا سُنا رہا ہے
ترا جھولا آرہا ہے ترا جھولا آرہا ہے

یعنی نویدؔ ہے وہ روزِ جزا کا مالک
یعنی خودی کا مالک یعنی خدا کا مالک
جو مر کے موت کو بھی جینا سکھا رہا ہے
ترا جھولا آرہا ہے ترا جھولا آرہا ہے

نوحہ

رن میں اصغرؑ تیر کھانے آ گئے
تیر کھا کر مسکرانے آ گئے

آئے کیا میداں میں اصغرؑ اے خدا
ساتھ اُن کے سب زمانے آ گئے

بات تو رکھنا تھی تیری اے خدا
خون میں اصغرؑ نہانے آ گئے

آ گئے لے کر تبسُم کی ادا
فوجِ اعدا کو رُلانے آ گئے

جب بھی گہوارہ سجا دیکھا نویدؔ
ہم بھی اک نوحہ سنانے آ گئے

نوحہ

اصغرؑ نے گلا تیر کے آگے جو رکھا ہے
کیا دیکھ لیا اُس نے کہ اِس زَد پہ خدا ہے

مَت دیکھ کہ کس سمت سے آیا ہے یہ پیکاں
یہ دیکھ کہ پیکاں سے گلے کون مِلا ہے

مت دیکھ کہ یہ کون ہے شہہ رگ سے بھی نزدیک
یہ دیکھ کہ شہہ رگ سے لہو کس کا بہا ہے

یہ دیکھ ہے اصغرؑ کا گلا تیر میں پیوست
یہ سوچنے کا وقت نہیں کون خدا ہے

مت دیکھ کہ گرتا نہیں کیوں عرش مگر دیکھ
چہرے پہ یہ اصغرؑ کا لہو کس نے ملا ہے

کچھ بول تو اے بے کسیِ ناقہء صالح
یہ کس کا لہو ہے کہ جو اُچھلا نہ گِرا ہے

یوں تو تن شبیرؑ پہ زخم آئے ہیں نو لاکھ
لیکن علی اصغرؑ پہ جو اک تیر چلا ہے

مَیں نے تو نویدؔ اپنا جگر کر لیا سب چاک
اور ماتمی کہتے ہیں کہ یہ نوحہ کہا ہے

نوحہ

جُھولا تِرا خالی ہی جُھلاتی رہی مادر
لوری بھی تصوّر میں سُناتی رہی مادر

بیٹھی رہی بس دھوپ میں سائے سے بہت دُور
مَوت آنے تلک خاک اڑاتی رہی مادر

تکتی رہی دل تھام کے نیزے پہ ترا سَر
اور سنگ بھی بازار میں کھاتی رہی مادر

بڑھنے لگا جب شامِ غریباں کا اندھیرا
دے دے کے صدا تجھ کو بلاتی رہی مادر

میداں میں تُجھے بھیج کے مانی تھی جو اُس نے
منّت وہ تِرے بعد بڑھاتی رہی مادر

گو پھرتی رہی دھوپ میں وہ پیاس کی ماری
پیاسوں کو مگر پانی پلاتی رہی مادر

اشکوں سے بناتی رہی وہ خاک پہ تصویر
بھر دل کا لہو اُس میں مِلاتی رہی مادر

کیوں آئی نہ سائے میں نویدؔ اُس سے نہ پوچھو
یہ سوچو کہ کیا حال چھپاتی رہی مادر

نوحہ

کربلا سمٹی ہوئی ہے اصغرِ بے شیر میں
اور ستم سارا چھپا ہے حرملا کے تیر میں

کون ہے کس کی امانت کون ہے کس کا امیں
یعنی اصغر کے حوالے ہو رہے ہیں شاہِ دیں
آرہی ہے کربلا روزِ ازل تحریر میں

تو گلِ باغ نبوت ہے کلی زہراؑ کی ہے
تیری خاموشی میں شامل خاموشی زہراؑ کی ہے
رنگ عصمت ہے علی اصغرؑ تیری تصویر میں

کہہ رہا ہے جس لہو کو خود خدا ذبحِ عظیم
خونِ اصغر کے سبب ہے کربلا ذبحِ عظیم
خوابِ ابراہیم بھی شامل ہے اس تعبیر میں

ہورہا ہے خود تصدق ہر کلام خاص و عام
کر رہے ہیں فوج پر شبیرجو حُجّت تمام
بے زبانی بھی تیری شامل ہے اِس تقریر میں

جانتے ہیں شاہِ والا کون ہے یہ شیر خوار
یوں‌تو ہے لشکر کا لشکر شاہِ دیں پہ جانثار
اس کے ہونے سے عجب ہے حوصلہ شبیر میں

ہے لہو کس کا خدا سے پوچھ لے جا کر نویدؔ
انبیاء سے اولیا سے پوچھ لے جا کر نویدؔ
ہر ولی پوشیدہ ہے اِس خون کی تاثیر میں

نوحہ

شامِ غم نوحہ کناں ہے ہائے جھولا جل گیا
خاک پر سکتے میں ماں ہے ہائے جھولا جل گیا

ہر طرف بکھری ہوئی ہے دشت میں جھولے کی راکھ
آسماں تک اک دھواں ہے ہائے جھولا جل گیا

لگ گئی ہے چپ کماں کو تیر سناٹے میں ہے
گنگ مقتل کی زباں ہے ہائے جھولاجل گیا

جانکنی کی گود میں دم توڑتی ہے کربلا
اک سسکتی سی فغاں ہے ہائے جھولا جل گیا

بھولے گی کس کے سہارے ماں علی اصغر کی یاد
ہائے اب جھولاکہاں ہے ہائے جھولا جل گیا

کیا گئے اصغرؑ کہ ساتھ ہر اِک نشانی لے گئے
اب کہاں کوئی نشاں ہے ہائے جھولا جل گیا

دم بہ خود شامِ غریباں دم بہ خود کرب و بلا
دم بہ خود سارا جہاں ہے ہائے جھولا جل گیا

راکھ بن کر اُڑ رہی ہے دشت میں اب تک نویدؔ
یادِ اصغر بے اماں ہے ہائے جھولا جل گیا

نوحہ

گہوارے سے اصغرؑ نے اِدھر خود کو گرایا
ھَل مِن لبِ شبیرؑ پہ جس دم اُدھر آیا

در پر گری کہتے ہوئے ہائے علیؑ اصغر
زینبؑ نے سرِخاک سے بانوؑ کو اٹھایا

جھولے کی جگہ راکھ ہی اڑتی نظر آئی
اصغرؑ کی جگہ خون ابلتا نظر آیا

خیمے میں سنی ماں نے جو اِک ننھی سے ہچکی
سارا ہی لہو آنکھوں میں ہائے سمٹ آیا

پیوست ہے وہ تیر دلِ مہدیؑ میں اب تک
وہ تیر جو بے شیر نے حلقوم پہ کھایا

کیوں گود سے صغریٰؑ کی اسے لائے تھے شبیرؑ
اس راز سے واقف ہے فقط تو ہی خدایا

مت پوچھ نویدؔ اس سے لیے لاشۂ بے شیر
مقتل سے درِ خیمہ تک کس طرح آیا

ہائے قاسمؑ

خاکپائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

نوحہ

صحرا میں ھُو کا سناٹا ہر سمت اداسی چھائی ہے قاسمؑ کی مہندی آئی ہے
بکھرا کے سارے پھولوں کو ہر شمع ہَوا نے بجھائی ہے قاسمؑ کی مہندی آئی ہے

دور و نزدیک صدائیں ہیں قاسمؑ دولہا قاسمؑ دولہا
صحرا کی تیز ہوائیں ہیں قاسمؑ دولہا قاسمؑ دولہا
بس شور ہے قاسمؑ دولہا کا یا کبریٰؑ کی تنہائی ہے قاسمؑ کی مہندی آئی ہے

کیسا یہ کیا ہے سناٹا دن کے ہنگام کی حسرت نے
ہائے یہ ستم کیسا توڑا جاتی ہوئی شام کی حسرت نے
دولہا دلہن کے ہاتھوں پر اک خون کی لالی رچائی ہے قاسمؑ کی مہندی آئی ہے

اک شور ہے فرش سے عرش تلک نوحہ کرتے ہیں جن و ملک
قاسمؑ کی نہیں ہے کوئی جھلک دھنستی ہے زمیں ہلتا ہے فلک
معلوم کسی کو کیا ہائے کبریٰؑ کتنی گھبرائی ہے قاسمؑ کی مہندی آئی ہے

دل سب کا جس میں دھڑکتا تھا واللہ وہ دل تھا کبریٰؑ کا
قاسمؑ جو چاند کا ٹکڑا تھا گھر بھر میں جس سے اُجالا تھا
کیسا یہ گہن میں چاند آیا کیسی یہ شب گہنائی ہے قاسمؑ کی مہندی آئی ہے

یہ گھرستی کیسی گھرستی ہے بسنے سے پہلے اجڑی ہے
یہ شادی کیسی شادی ہے یہ مہندی کیسی مہندی ہے
مہندی کے چراغوں کے آگے خوں روتی شہنائی ہے قاسمؑ کی مہندی آئی ہے

ہے دم گھٹنے کو ہَوا کی جگہ یعنی ہے بھوک غذا کی جگہ
لب پر ہے آہ صدا کی جگہ سر پر ہے خاک ردا کی جگہ
چوڑی کی جگہ پر دلہن نے ہاتھوں میں رسن بندھوائی ہے قاسمؑ کی مہندی آئی ہے

کس نے یہ غازہ اُتارا ہے کس نے سندور مٹایا ہے
کس نے یہ گوہر کھینچے ہیں ، یہ کنگنا کس نے مَسلا ہے
کس نے یہ مانگ اجاڑی ہے کس نے افشاں پھیلائی ہے قاسمؑ کی مہندی آئی ہے

اک حسرت کا سایہ ہے نویدؔ یہ کیسا غم پایاہے نویدؔ
کبریٰؑ کو غش آیا ہے نویدؔ یہ کیسا ستم ڈھایا ہے نویدؔ
ہرلب پر یہ نوحہ ہے نویدؔ فرویٰؑ نے دی یہ دہائی ہے قاسمؑ کی مہندی آئی ہے

یا علیؑ

خاکِ پائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

نوحہ

خدا خدا کو بنانے والا علی کا سجدہ لہو لہو ہے
حضور قبلہ لہو لہو ہے ، جناب کعبہ لہو لہو ہے

ہیں جسکی آنکھیں خدا کی آنکھیں، ہے جسکا چہرہ خدا کا چہرہ
جو ہوبہو ہے خدا کے جیسا، یہ کون بندہ لہو لہو ہے

ہے جسکا باطن خدا کا باطن ہے جسکا ظاہر خدا کا ظاہر
خدا کی واحد دلیل ہے جو، اُسی کو دیکھا لہو لہو ہے

خدا کا ہونا، نبیؐ کا ہونا ،ولی کا ہونا ،علیؑ کا ہونا
جسےہو معلوم یہ بتائے ، یہ کس کا ہونا لہو لہو ہے

خدا کی محراب اجڑ گئی ہے خدا کا منبر اجڑ گیا ہے
خدا کی تکبیر رو رہی ہے ، خدا کا لہجہ لہو لہو ہے

سُنی ہے کس نے ، کھُلی ہے کس پر صدائے فضتؑ بربِّ کعبہ
خدا کا مبدا لہو لہو ہے ، خدا کا ملجا لہو لہو ہے

نویدؔ ہے جب فقیر شاعر ، علیؑ علیؑ کی صدا نہ دے کیوں
علیؑ علیؑ کی صدا نہ دے کیوں کہ اُس کا کاسہ لہو لہو ہے

نوحہ

وہ جس کے سر کا عمامہ ہے دین کی دستار
اُسی کے سر پہ ہی سجدے میں چل گئی تلوار

صراطِ حق ہے وہی راہِ مستقیم وہی
بنا گئی ہے جو رستا ترے لہو کی دھار

کبھی ردا تو کبھی بازوؤں کو چومتے ہیں
ابھی تو گھر میں ہے زینبؑ ابھی کہاں بازار

علیؑ نے بیٹی سے فرمایا صبر کرنا تم
ردائیں چھینیں گے سر سے یہ دشمنِ دستار

قسم ہے کعبے کے رب کی ہو کامیاب نہ کیوں
کرے جو اپنے ہی قاتل کو نیند سے بیدار

لرز رہے ہیں در و بام و منبر و محراب
عیاں ہیں ، گریۂ زینبؑ سے حشر کا آثار

جو مسح تیغ سے کرتا ہو آب کے بدلے
نماز اُس کو ہی سجدہ نہ کیوں کرے ہر بار

وہ جس کی ضرب ہو افضل عبادتوں سے نویدؔ
پھر اُس کے سجدے کی عظمت کرے گا کون شمار

نوحہ

قتل قبلہ ہُوا اور خوں میں نہایا سجدہ
ہائے روئے گی نماز اپنے نمازی کو سدا

نہ رہا وہ جسے پڑھتی تھی مُصلے پہ نماز
اب پٹکتا ہے مُصلے پہ سر اپنا سجدہ

کیا سحر ہو گئی ضربت کی گھڑی آ پہنچی
کیوں ٹھہرتی نہیں ہائے سرِ زینبؑ پہ ردا

جز محمدؐ کسے معلوم محمدؐ کی قسم
تیری تنہائی پہ تنہائی میں روتا ہے خُدا

سورۂ فتح کی آنکھوں سے ٹپکتا تھا لہو
ہائے جس وقت کہ گلیوں میں تجھے کھینچا گیا

تیری مظلومی پہ جب روتا ہے تیرا ہی جلال
عرش و کُرسی سے ہے آتی ترے گریے کی صدا

کامیابی سے ارادوں کی علیؑ کو جانا
اے نویدؔ آپ کا کاسہ کبھی خالی نہ رہا

نوحہ

محراب گری، اُجڑا منبر، جبریلؑ صدائیں دیتے ہیں
سجدے میں ہوئے زخمی حیدر، جبریلؑ صدائیں دیتے ہیں

وہ تیغ شقی نے ماری ہے جو زہر میں ڈوبی ساری ہے
جائیگا زہر یہ جاں لے کر جبریلؑ صدائیں دیتے ہیں

شبرؑ نے عمامہ پھینک دیا سرورؑ نے عبا کو چاک کیا
زینبؑ کی گری سر سے چادر جبریلؑ صدائیں دیتے ہیں

لوگو نہ یہاں سے آگے بڑھو دل تھام لو در سے دور رکو
یہ گریۂ زینبؑ کو سُن کر جبریلؑ صدائیں دیتے ہیں

زینبؑ ترے سر سے سایہ اُٹھا اب تھام ردا بازو کو چُھپا
ہائے درِ زینبؑ پر آ کر جبریلؑ صدائیں دیتے ہیں

اکیس کا دن نکلا جو نویدؔ، حیدرؑ سے یہ دنیا خالی تھی
رخصت ہوا زہراؑ کا شوہر جبریلؑ صدائیں دیتے ہیں

نوحہ

ہے جو غلطیدہ لہو میں کون ہے یہ کبریا
فرش پر وہ جو علیؑ ہے عرش پر وہ جو خدا

عرش سے تا فرش ہے بس ایک ماتم ایک لَے
یا خدا و یا علیؑ و یاعلیؑ و یا خدا

اک علیؑ کی ذات ہی ہے بس صراطِ مستقیم
جو علیؑ کا راستہ ہے وہ خدا کا راستہ

تجھ کو یہ حیرت وہ آخر عرش پر کیسے گیا
مجھ کو یہ حیرت وہ آخر فرش پر کیسے رہا

کہہ رہی ہے یہ مسلسل ہے علیؑ دل میں مکیں
یہ جو تجھ کو آ رہی ہے دل دھڑکنے کی صدا

فرقِ زینبؑ سے ہے کیا نسبت علیؑ کی فرق کو
سر پہ واں ضربت لگی یاں ڈھل گئی سر سے ردا

ایک سجدہ ایک ہے سر ایک ضربت اک لہو
کربلا سے تابہ کوفہ کوفے سے تا کربلا

وہ اگر سجدہ نہ کرتے تھے وہ کافر سب نویدؔ
گر علیؑ سجدہ نہ کرتے لوگ اِنہیں کہتے خدا

نوحہ

سر دینے یہ خدا کی جگہ کون آگیا
خود کٹ گیا مگر وہ خدا کو بچا گیا

کچھ اور بھی بلند ہوا گریہء علیؑ
زینبؑ کا حال جب بھی تصوّر میں آگیا

ہوکر سرِ علیؑ کا عمامہ لہو لہو
زینبؑ کی بے ردائی کا نوحہ سُنا گیا

بہہ کر سرِ علیؑ سے لہو فرشِ خاک پر
کچھ ہو نہ ہو خدا کو خدا تو بنا گیا

جس کے لہو کی دھار بنی راہ مستقیم
بہہ کر لہو نجات کا رستا بنا گیا

جب چاند عید کا نظر آیا مجھے نویدؔ
اِک سر لہو میں ڈوبا ہُوا یاد آگیا

نوحہ

حیدرؑ کا مسلماں نے جو خون بہایا ہے
سر پر سے یہ زینبؑ کے ہائے سایہ اٹھایا ہے

ضربت کی خبر آئی جسدم درِ حیدرؑ پر
زینبؑ نے ردا تھامی بازو کو چھپایا ہے

شبیرؑ ترے لاشے کو کون اٹھائے گا
تو نے تو یہ بابا کا تابوت اٹھایا ہے

کرنا ہے حوالے جو شبیر کو غازیؑ کے
عباسؑ کو حیدرؑ نے نزدیک بلایا ہے

زینبؑ سے کوئی پوچھے اے کوفے کی شہزادی
کیوں باپ سے مرتے دم تک خود کو چھپایا ہے

شبیرؑ کو زینبؑ نے بھی سر کی ردا سمجھا
ماں کہہ کے ہی سرورؑ نے زینبؑ کو بلایا ہے

ماں کو بھی نویدؔ اُمّت نے روکا تھا رونے سے
زینبؑ کے بھی رونے پہ اب پہرہ لگایا ہے

نوحہ

لاالہٰ الااللہ علیؑ ولی اللہ
محورِ کرب و بلا علیؑ ولی اللہ

دیتا ہے پیہم صدا سر بُریدہ اک گلا
ہے بنائے کربلا علیؑ ولی اللہ

حاصل کرب و بلا مقصدِ کرب و بلا
سجدۂ شبیرؑ تھا علیؑ ولی اللہ

کربلا میں کیا لُٹا ہائے زینبؑ کی ردا
کربلا میں کیا بچا علیؑ ولی اللہ

ہائے شامِ کربلا شہہؑ نے جو منہ پر مَلا
اُس لہو کی ہے صدا علیؑ ولی اللہ

کربلا سے تا غدیر کھینچ گئی ہے اک لکیر
ایک ہی ہے سلسلہ علیؑ ولی اللہ

کیا فنا اور کیا بقا کیا خودی اور کیا خُدا
ہر سِرے کا ہے سرا علیؑ ولی اللہ

گریہء آدم یہی گریہء خاتم یہی
ابتدا تا انتہا علیؑ ولی اللہ

لکھ یہی نوحہ نویدؔ پڑھ یہی نوحہ نویدؔ
دے یہی بس اک صدا علیؑ ولی اللہ

نوحہ

گھر میں اللہ کے خود اُس کا ولی زخمی ہے
جس میں توحید ہے مخفی وہ جلی زخمی ہے

اے خُدا بچ تو گئی تیری خُدائی لیکن
دیکھ سجدے میں مِرا مولا علیؑ زخمی ہے

جس نے روشن کیا منبر پہ سلونی کا چراغ
سرِ محراب وہ نورِ ازلی زخمی ہے

ضربِ تازہ تو ابھی آئی ہے اِس کے سَر پر
اِس کے سینے میں جو دل ہے ازلی زخمی ہے

یہ کسی اور کا سَر اے مِرے معبود نہیں
یہ کوئی اور نہیں ہے یہ علیؑ زخمی ہے

جس جگہ باندھی گئی اُس کے گلے میں رسّی
جس میں کھینچا گیا اُس کو وہ گلی زخمی ہے

ماتم و گریہ سے فارغ نہیں کوئی موجود
عالم سرمدی و لَم یزلی زخمی ہے

بیعتِ سلسلہء زخم ہے جاری کہ نویدؔ
ہر ولی ابنِ ولی ابنِ ولی زخمی ہے

یا فاطمہؑ

خاکِ پائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

نوحہ

رونے کو بیتِ حزن میں جاتی ہیں سیّدہ
حال اپنا کب کسی کو سُناتی ہیں سیّدہ

پہلو کے ایک زخم میں بس ایک زخم میں
ہر زخمِ کربلا لیے جاتی ہیں سیّدہ

کرتی ہیں یاد شامِ غریباں کی تیرگی
جب بھی چراغ گھر میں جلاتی ہیں سیّدہ

زینبؑ پہ اور حسینؑ پہ کرتی ہیں جب نگاہ
عباسؑ کی دُعا کیے جاتی ہیں سیّدہ

دل سے بجائے آہ نکلتا ہے یاحسینؑ
اُٹھتا ہے درد خاک اُڑاتی ہیں سیّدہ

بے حال روئے جاتی ہیں زینبؑ کو دیکھ کر
دربار سے جو لوٹ کے آتی ہیں ہیں سیّدہ

کس میں یہ تاب ہے کہ سُنے سیّدہ کا حال
خود کو ہی اپنے زخم دکھاتی ہیں سیّدہ

فرشِ عزا پہ بیٹھ اور آنسو بہا نویدؔ
لینے کو پُرسہ آپ ہی آتی ہیں سیّدہ

نوحہ

ہے گریۂ علیؑ میں نہاں سیّدہؑ کا غم
یعنی غمِ حسینؑ کی ماں سیّدہؑ کا غم

رکّھا ہُوا ہے مسندِ سرمَد پہ ایک اشک
جلوہ نُما ہے دیکھ کہاں سیّدہؑ کا غم

توفیق ہو تو عالمِ ھُو سے گُزر کے دیکھ
ھُو میں نہاں ہے ھُو سے عیاں سیّدہؑ کا غم

اپنی رضا کے بدلے خریدار ہے خُدا
کُچھ اِس قدر ہے جنسِ گراں سیّدہؑ کا غم

وہ جو پَسِ اِرادہ دھڑکتا ہے بن کے کُن
توحید کی رگوں میں رواں سیّدہؑ کا غم

اپنے محیط میں ہے لیے ساری کائنات
یعنی کراں سے تابہ کراں سیّدہؑ کا غم

حتیٰ کہ جس میں سمٹا ہُوا ہے غمِ حسینؑ
یعنی ہر ایک غم کی اماں سیّدہؑ کا غم

غم پر غمِ حیات ہے غم پر غمِ جہاں
برآں غمِ حسینؑ برآں سیّدؑ کا غم

ہر غم صفیں درُست کرے سجدہ ریز ہو
ہر آن دے رہا ہے اذاں سیّدہؑ کا غم

روشن دنوں کو کر دے سیہ رات جو نویدؔ
وہ آہ، وہ تڑپ، وہ فغاں، سیّدہؑ کا غم

نوحہ

جو قسم کھاتے رہے ساتھ نبھانے کیلئے
آ گئے ہیں درِ زہراؑ کو جلانے کیلئے

کیا قیامت ہے کہ اس امتِ مرحوم کے پاس
اِک دیا بھی نہیں تربت پہ جلانے کیلئے

یا علیؑ آپ کا یہ گریہ اور اتنا گریہ
کیا خدا پڑ گیا کم اشک بہانے کیلئے

یا علیؑ آپ تھے یا رات کی تنہائی تھی
کوئی آیا نہ جنازے کو اٹھانے کیلئے

آگ کس واسطے آئی تھی بتا اے مالک
کیا یہ آئی تھی درِ زہراؑ جلانے کیلئے

ہونہ ہو تجھ کو تو معلوم ہے اے کُن کے خدا
کون اُجڑا تری دنیا کو بسانے کیلئے

ہم کو یہ دنیا فقط مقتلِ زہرؑا ہے نوید
ہم جو آئے ہیں یہاں خاک اڑانے کیلئے

یا حُرؑ

صبحِ عاشور کی تمہید نظر آتا ہے
چہرہءِ حُر ہے کہ خورشید نظر آتا ہے
شہہؑ نے اِک حُرؑ کے لیے کرب و بلا کی تیّار
دید کو یوں بھی پسِ دید نظر آتا ہے

خاکِ پائے ماتم گسارانِ حسینؑ مظلوم

میر احمد نویدؔ

اے حُرؑ شبِ حسرت کی سحر ہوگئی آخر
تجھ کو ترے ہونے کی خبر ہوگئی آخر

وہ ایک حُرؑ ہے کہ جس نے گزر کے خود پر سے
ہر ایک حُرؑ کے لئے راستا بنا دیا ہے

خُلدِ بریں عمل میں نہیں نیّتوں میں ہے
حُرؑ نے سمجھ لئے تھے اشارے حسینؑ کے

سحر نہیں ہوتی

جو حرؑ نہ آتے تو اُس شب سحر نہیں ہوتی
کوئی بھی ہوتی یہ صُورت مگر نہیں ہوتی

بس ایک حرؑ نے دھڑکنا سکھا دیا ورنہ
کسی کو پہلو میں دل کی خبر نہیں ہوتی

جو کربلا کے افق پر نہ آتا خاورِ حرؑ
تو شب ٹھہر گئی ہوتی بسر نہیں ہوتی

نبیؐ حریص، علیکم ہیں کب سمجھتے ہم
جو حرؑ پہ شہہؑ کے کرم کی نظر نہیں ہوتی

شبِ گناہ کے جاگے کو کیسے نیند آتی
جو حرؑ پہ اک نگہہِ درگزر نہیں ہوتی

برائے حرؑ جو نہ مہلت خدا سے مانگتے شاہ
زمین محورِ اجسام پر نہیں ہوتی

قسم خدا کی اگر ایک حُر نہ رکھتے لاج
بشر کی شکل میں شکلِ بشر نہیں ہوتی

جو زخم سینے کا میرے نہ کھاتا سینۂ حرؑ
کوئی دُعا بھی مِری چارہ گر نہیں ہوتی

کہاں پہ رکھتا کہو حرؑ کو عمر بھر کا عمل
جو لمحے بھر کی یہ نیت اگر نہیں ہوتی

نویدؔ حرؑ میں سمٹ کر یہ ساری کرب و بلا
زیادہ حرؑ سے تو اب مختصر نہیں ہوتی

رُخِ نو بہار ہے حرؑ کا

خودی کے زخم سے سینہ فگار ہے حُر کا
خدائے درد کوئی راز دار ہے حُر کا ؟

چراغ چھوڑ رہی ہے اِدھر چراغ کی لو
اُدھر فلک پہ ہے جھل مل ستارۂ سحری
شبِ سیہ سے نمودار ہو رہی ہے سحر
خبر سے مل کے گلے رو رہی ہے بے خبری
روانہ جانبِ شہہ راہوار ہے حُر کا

ہوا کے دوش پہ حُر آ رہے ہیں سوئے حسینؑ
ابھر رہا ہے اُدھر آفتابِ عاشورہ
سحر ہوئی کہ ہُوا حُر کا انتظار تمام
لُٹا رہا ہے جو زر آفتابِ عاشورہ
شفق ہے یہ کہ رُخِ نو بہار ہے حُر کا

حر آ گئے سوئے شہ بن کے صبحِ مہلتِ شب
جو ایک حُر کا خلا تھا ہُوا وہ حُر سے ہی پُر
نہیں ہے کرب و بلا جیسے بعدِ کرب و بلا
ہیں حُر سے پہلے بھی حُر اور حُر کے بعد بھی حُر
اَحد کی طرح عدد میں شمار ہے حُر کا

گئے تھے ڈھونڈنے خود کو تہہِ تحیّرِ ذات
جو ابھرے اپنی خبر ساتھ لے کے آئے ہیں
کٹی ہے رات تو سورج تراشنے میں کٹی
اب آئے ہیں تو سحر ساتھ لے کے آئے ہیں
خدا ہی جانے کہ کیا اختیار ہے حُر کا

ہے کون مرکز و محور بہ نامِ فتح و شکست
اے کربلا ترا دارو مدار کس پر ہے
سلام بھیجا ہے زینبؑ نے کس کی آمد پر
یہ کس کے خون سے رومالِ فاطمہؑ تر ہے
خدا گواہ خدا سوگوار ہے حُر کا

میں کون ہوں جو بتاؤں تمہیں کہ کون ہے وہ
سکوتِ خیمہٗ شہہ کا دیا ہے کون ہے حرؑ
رکوع ہے کہ ہے سجدہ قیام ہے کہ دوام
کہ جانے حاصل کرب و بلا ہے کون ہے حُر
اُسی سے پوچھو جسے انتظار ہے حُر کا

عمل کی گٹھڑی وہیں رکھ دی حُر نے ہاتھوں سے
جس ایک لمحے میں نیّت نے گھر کیا دل میں
جس ایک لمحے نے یکسر بدل دیا حُر کو
جس ایک لمحے شفاعت نے در کیا دل میں
جس ایک لمحے پہ دار و مدار ہے حُر کا

میں لڑ رہا ہوں جو حرص و ہوا کے لشکر سے
قسم ہے حُر کی اکیلا مگر نہیں ہوں میں
ہر ایک ضرب پہ حاصل ہے مجھ کو حُر کی مدد
اُدھر بھی چھایا ہوا ہوں جدھر نہیں ہُوں میں
کہ ہوں پناہ میں جس کی حصار ہے حر کا

حوالے حُر کے کر انگشتِ حرف بینِ وجود
کہ جو بنا دے تجھے حرف سے کتاب نویدؔ
عطا کرے جو تجھے نفسِ مطمئن کا سراغ
نگاہِ حُر سے طلب کر وہ اضطراب نویدؔ
نمودِ شعلہ ہے جس میں شرار ہے حُر کا

نوحہ

اے خدا کیا راز تھا کیوں بُت بَنا دیکھا کیا
کس لیے زینبؑ کو ہوتے بے ردا دیکھا کیا

بازوئے زینبؑ رَسن میں پُشت پر جکڑے ہوئے
میرے منہ میں خاک ہائے تو یہ کیا دیکھا کیا

اس میں کیا حِکمت تھی تیری بول اے ربّ رحیم
تیر کی زد پر جو ننھا سا گلا دیکھا کیا

ماورائے عقل ہے جو مصلحت کیا تھی تری
سینۂ اکبرؑ میں کیوں نیزہ گڑا دیکھا کیا

لاشۂ شبیرؑ روندا جارہا تھا جس گھڑی
اس گھڑی زینبؑ کو تو دیتے صدا دیکھا کیا

خاک پر پیاسا تڑپتا تھا وہ نفسِ مطمئن
اور تو بیٹھا تماشائے رضا دیکھا کیا

دو خدا ہوتے تو میں یہ مان لیتا بے دھڑک
اک خداکو زیرِ خنجر اک خدا دیکھا کیا

میں یہ کیسے مان لوں رہتا ہے جس شہہ رگ میں تو
تو اسی شہہ رگ سے خوں بہتا ہوا دیکھا کیا

کیا ستم ہے یہ بہا جس پر مسیحا کا لہو
ہائے تو اُس خاک میں رنگِ شفا دیکھا کیا

جس فنا نے نذرِ آتش کردیا زہراؑ کا گھر
اُس فنا میں ہائے تو اپنی بقا دیکھا کیا

رکھ کے جس دامن میں سر شبیرؑ کو آتا تھا چین
ہائے اُس دامن کو تو جلتا ہوا دیکھا کیا

دیکھ کر شامِ غریباں کا اندھیرا اے خدا
کچھ نہ دیکھا بس میں تیرا دیکھنا دیکھا کیا

ضعفِ گریہ نے مری بینائی لے لی اے نویدؔ!
اور اک تیرا خدا جو کربلا دیکھا کیا

جوابِ نوحہ

مرا نوحہ بھی سُن اپنا تو نوحہ کر لیا تو نے
تجھے معلوم کیا غفلت کے مارے کیا کیا تو نے

بتا شبیرؑ میں اور مجھ میں تو نے کیا دوئی دیکھی
تری غفلت جو رکھا درمیاں یہ فاصلہ تو نے

جو ''میں'' میں''تو'' کو کر دو جمع ہوگا اس کا حاصل''میں''
وہ ہے''میں'' اور میں ہوں وہ ابھی سمجھا ہے کیا تو نے

میں ہوں کعبہ تو وہ قبلہ، عبادت میں تو وہ سجدہ
اسے مجھ سے مجھے اُس سے کیا کیسے جدا تو نے

وہ میں ہی تھا صدا دیتا تھا جو حلق بُریدہ سے
تہہِ خنجر تھا میرا استغاثہ جو سُنا تو نے

یہ کیا لبیک کہہ کر ہاتھ خود ہی رکھ لیا سَر پر
بتا کب اپنے سَر کو ہاتھ پر اپنے رکھا تو نے

نہ رکھا قاتل و مقتول میں کچھ فرق تو نے کیوں
مَرا حِرص و ہوا پر بھی مِرا غم بھی کیا تو نے

تُو خود کو کیسے ڈھونڈے گا تُو مجھ کو کیسے پائے گا
کہ نفس اندر تو خواہش کا اندھیرا بھر لیا تو نے

تجھے دینے کو غم میں نے رکھا تھا سر تہہِ خنجر
مرے غم کی بھی نعمت میں نہ ڈھونڈا تزکیہ تو نے

تری حالت پہ وقتِ عصر میں کیا کیا نہ خوں اُگلا
مری غربت پہ رو رو کر لیا کیسا مزا تو نے

کب اِن تیروں کا غم ہے درد اُن زخموں کا ہے مجھ کو
نہ کرکے آپ کی اصلاح جو زخمی کیا تو نے

یاامام زمانہؑ

یا منتقمُ

دہک رہا ہے جو اُس منتقم کے سینے میں
تو کیا وہ زخم بھی بھر دے گا انتقامِ حسینؑ

حاضر امامؑ کے حضور

نہیں بنتی جو وہ صورت ہوں زمانے کے امامؑ
میں خود اپنے لئے عبرت ہوں زمانے کے امامؑ

شرمساری بھی جسے دیکھ کے شرماتی ہے
اُس گنہگار کی خفت ہوں زمانے کے امامؑ

ٹھوکروں میں سحر و شام پڑا ہوں جس کی
میں ہی وہ پائے حِقارت ہوں زمانے کے امامؑ

ہائے اِس خاکِ ندامت سے میں کس طرح اٹھوں
میں خجالت ہی خجالت ہوں زمانے کے امامؑ

نام اب اپنا اِنھی ناموں سے یاد آتا ہے
عار ہوں ننگ ہوں تہمت ہوں زمانے کے امامؑ

جس سے سَر مارتا ہوں جس سے جبیں پھوڑتا ہوں
میں ہی وہ سنگِ ملامت ہوں زمانے کے امامؑ

کیسی عزت کا طلبگار تھا میں غرقِ سَراب
کیسی ذلّت کی عَلامت ہوں زمانے کے امامؑ

جو نہ پہچان سکوں ہُوں وہ خود اپنی صورت
جو بگڑ جائے وہ رنگت ہوں زمانے کے امامؑ

تب کُھلا پڑگئی جب خود مرے منہ پر مری خاک
میں خود اپنے لیے لعنت ہوں زمانے کے امامؑ

رونا آتا ہے نہ اب خود پہ ہنسی آتی ہے
بے بسی کی میں وہ حالت ہوں زمانے کے امامؑ

کیسا بے صرفہ مگر صَرف ہوا جاتا ہوں
جبکہ معلوم ہے مُہلت ہوں زمانے کے امامؑ

اپنے بازار کی میں جنسِ سبُک مایہ ہوں
یعنی گرتی ہوئی قیمت ہوں زمانے کے امامؑ

چاٹ جاتا ہے لطافت جو ہر آئینے کی
میں ہی وہ زنگِ کثافت ہوں زمانے کے امامؑ

ہائے کس منہ سے مودّت کا بنوں دعویدار
میں خود اپنے لیے نفرت ہوں زمانے کے امامؑ

سوچتا ہوں کہ اِس عجلت کو سمیٹوں کیسے
خود بکھیری ہوئی فرصت ہوں زمانے کے امامؑ

جس کے زخموں کے لیے آ گہی مرہم نہ ہوئی
میں ہی وہ کشتۂ غفلت ہوں زمانے کے امامؑ

خوابِ بے خوابیِ ہستی ہوں سرِ بسترِ خواب
بے یقینی کی عبادت ہوں زمانے کے امامؑ

جس کے ہنگام سے کھو بیٹھا ہوں میں تابِ سوال
میں ہی وہ شورِ قیامت ہوں زمانے کے امامؑ

نوحہ

روضۂ شاہؑ پر امامِ زماں
کرتے ہیں ہر گھڑی یہ آہ و فغاں
دیں اجازت کہ میں ظہور کروں
کسی مظلوم کو نہیں ہے اماں
ظلم سے بھر چکا ہے سارا جہاں
دیں اجازت کہ میں ظہور کروں

کتنی صدیاں گزار دیں میں نے
دامنِ انتظار تھامے ہوئے
قبضۂ ذوالفقار تھامے ہوئے
آپ کی ہاں کا منتظر ہوں میں
اے مرے مولا اب تو کہہ دیں ہاں
دیں اجازت کہ میں ظہور کروں

کتنی صدیاں گزر گئیں ہیں مگر
آج بھی بن کے پیاس اصغرؑ کی
آج بھی بن کے آس اکبرؑ کی
میری گردن میں تیر ہے پیوست
میرے دل میں گڑی ہوئی ہے سناں
دیں اجازت کہ میں ظہور کروں

خون رونے کو رہ گیا ہے کیا
ہائے کھونے کو رہ گیا ہے کیا
اور ہونے کو رہ گیا ہے کیا
ہو گئی ہے ہر ایک صبح لہو
ہو گئی ہے ہر ایک شام دھواں
دیں اجازت کہ میں ظہور کروں

آپ صابر ہیں اور میں قہّار
آپ نے سر کٹا دیا اپنا
میرے حصے میں انتظار آیا
اپنی غیبت سے زخم زخم ہوں میں
آپ کا اذن ہے مرا درماں
دیں اجازت کہ میں ظہور کروں

گریۂ چشمِ سیدہؑ کی قسم
لٹ گئی ہے جو اُس ردا کی قسم
کربلا کی قسم خدا کی قسم
آپ کا انتقام ہے حسرت
آپ کا انتقام ہے ارماں
دیں اجازت کہ میں ظہور کروں

ایک ہے حالِ مشرق و مغرب
صبر خاموش جبر ہے غالب
کہاں جائے امان کا طالب
مٹ چکی ہے تمیزِ دیر و حرم
سب ہے زیر و زبر نظامِ جہاں
دیں اجازت کہ میں ظہور کروں

خواہشِ نفس بن چکی ہے خدا
دل ہیں آماج گاہِ حرص و ہوا
کوئی سنتا نہیں خدا کی صدا
دب گئی ہائے آہ ھل من کی
ہر طرف اِس قدر ہے شور اذاں
دیں اجازت کہ میں ظہور کروں

ہوکتیں ہیں ہَوائیں ہائے حسینؑ
چیختیں ہیں فضائیں ہائے حسینؑ
گونجتیں ہیں صدائیں ہائے حسینؑ
کانپ جاتے ہیں عرش و فرش نویدؔ
کہتے ہیں شہہؑ سے جب امامِ زماںؑ
دیں اجازت کہ میں ظہور کروں

دل میں جو کربلا بسائے گا
وہ رضائے الہٰ پائے گا

جو کرے گا سوئے حسینؑ سفر
اوّلِ گام سر کٹائے گا

خونِ ناحق کو یاد کر کے وہ
اپنے ہی خون میں نہائے گا

کرنا چاہے گا جب خدا کی بات
لب پہ بس یا حسینؑ لائے گا

حشر کے دن بشکلِ فردِ عمل
داغ ماتم کے ہی دکھائے گا

جو بھی لکھے گا خونِ دل سے نویدؔ
وہ ہی نوحہ ہر اک سنائے گا

التجائے نوید

اے ربِّ جہاں پنجتنِؑ پاک کا صدقہ
ہر قوم کا دامن غمِ شبیرؑ سے بھر دے

بچوں کو عطا کر علی اصغرؑ کا تبسم
بوڑھوں کو حبیب ابنِ مظاہر کی نظر دے

کم سن کو ملے ولولۂ عونؑ و محمدؑ
ہر ایک جواں کو علی اکبرؑ کا جگر دے

ماؤں کو سکھا ثانی زہراؑ کا سلیقہ
بہنوں کو سکینہؑ کی دعاؤں کا اثر دے

مولا تجھے زینبؑ کی اسیری کی قسم ہے
بے جرم اسیروں کو رہائی کی خبر دے

جو چادرِ زینبؑ کی عزادار ہیں مولاؑ
محفوظ رہیں ایسی خواتین کے پردے

یارب تجھے بیماریٔ عابدؑ کی قسم ہے
بیمار کی راتوں کو شفایاب سحر دے

مفلس پہ زَر و لعل و جواہر کی ہو بارش
مقروض کا ہر قرض ادا غیب سے کردے

جو دین کے کام آئے وہ اولاد عطا کر
جو مجلسِ شبیرؑ کی خاطر ہو وہ گھر دے

غم کوئی نہ دے ہم کو سوائے غمِ شبیرؑ
شبیرؑ کا غم بانٹ رہا ہے تو اِدھر دے